قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ہفتہ وار طلوع اسلام کراچی

جلد نمبر ۸
شمارہ ۲۸

کراچی: ہفتہ - ۱۳ - اگست ۱۹۵۵ ع

قیمت چھ آنہ
سالانہ پندرہ روپے

۱۵ اگست کا پیغام

حضرت عمر (رض) کے زمانے میں ایک مرتبہ ملک میں قحط پڑ گیا تو ارد گرد کی ساری آبادی سمٹ کر مدینے میں جمع ہو گئی (جسطرح مصیبت زدہ پناہ گزیں آجکل کراچی میں جمع ہورہے ہیں) - حضرت عمر (رض) نے حکم دیدیا کہ مدینہ میں کوئی شخص اپنے گھر میں کھانا نہیں کھائیگا - نہ ہی کسی کے ہاں انفرادی طور پر کچھ پکیگا - جو کچھ کسی کے پاس ہے سب ایک جگہ جمع ہوگا اور سبکو ان پناہ گزینوں کے ساتھ ملکر ایک دسترخوان پر کھانا ہوگا - اس میں خود امیرالمومنین کا کھانا بھی شامل تھا - مسلسل فاقوں اور موٹی جھوٹی روٹی کھانے سے حضرت عمر (رض) بیمار پڑ گئے - گھی کی جگہ تیل کے استعمال سے چہرے کی رنگت سیاہ پڑ گئی - رفقاء نے کئی مرتبہ کہا کہ آپ نسبتاً اچھی غذا کھائیے - قوم کو آپ کی صحت کی بڑی ضرورت ہے - لیکن آپ انہیں یہ کہکر خاموش کردیتے کہ - خون شہ رنگیں تراز معمار نیست - آپکی احساس ذمہ داری کا یہ عالم تھا کہ دن بھر ان مصیبت زدگان کے کھانے پینے کا انتظام کرتے اور رات کو چپکے چپکے گشت لگا کر سارے حالات معلوم کرتے - ان لوگوں کے غم میں آپ اسقدر نڈھال تھے کہ صحابہ کو یہ اندیشہ ہوگیا کہ اگر قحط جلدی رفع نہ ہوا تو حضرت عمر (رض) مسلمانوں کی فکر میں مر جائینگے -

پاکستان کے ارباب حکومت کے نام ۱۵ اگست کا پیغام یہ ہے کہ اگر قوم کی مصیبتوں کو رفع کرنے کیلئے آپ حضرت عمر (رض) کی مثال قائم نہیں کرسکتے تو آپ کو ان کرسیوں پر بیٹھنے کا کوئی حق حاصل نہیں -

---

طلوع اسلام کا مسلک اور مقصد

ہمارا مسلک یہ ہے کہ ....

1. تنہا عقل انسانی، زندگی کے مسائل حل کرنے کے لئے کافی نہیں۔ اسے اپنی راہنمائی کے لئے اسی طرح وحی کی ضرورت ہے جس طرح آنکھ کو سورج کی روشنی کی۔
2. یہ وحی اپنی آخری اور مکمل شکل میں قرآن کریم میں محفوظ ہے جس کے بغیر نوع انسانی اپنی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتی۔
3. حق و باطل کا معیار قرآن ہے۔ جو روایات قرآن کے مطابق ہوں گی صحیح ہوں گی جو اس کے خلاف ہیں غلط ہیں۔
4. حضور نبی کریم انسانی سیرت و کردار کے بلند ترین مقام پر فائز تھے لیکن ہماری تاریخ میں بعض ایسی چیزیں شامل کر دی گئی ہیں جن سے حضور کی سیرت داغدار ہو کر سامنے آتی ہے۔ ہماری تاریخ کے ایسے تمام حصے (خواہ وہ کسی کتاب میں ہوں) یکسر غلط اور وضعی ہیں۔ حضور کی سیرت کا صحیح معیار خود قرآن کریم ہے۔
5. قرآن کی رو سے دنیا میں بسنے والے تمام انسان ایک عالمگیر برادری کے افراد ہیں۔ اس برادری کے قیام کی عملی شکل یہ ہے کہ تمام دنیا ایک ہی نظام کے مطابق زندگی بسر کرے۔
6. اس عالمگیر نظام زندگی کی تشکیل کی صورت یہ ہے کہ ہر زمانے کے انسان اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق قرآن کے غیر متبدل اصولوں کی روشنی میں باہمی مشاورت سے جزئی قوانین خود مرتب کریں (انہیں قانون شریعت کہا جاتا ہے)۔ یہ جزئی قوانین حالات کی تبدیلی سے بدلتے رہیں گے لیکن قرآن کے اصول ہمیشہ غیر متبدل رہیں گے۔
7. اس نظام کی رو سے قرآن ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کرتا ہے جس میں تمام افراد کی مضمر صلاحیتوں کی کامل نشوونما ہو جاتی ہے اور کوئی فرد معاشرہ اپنی ضروریات زندگی سے محروم نہیں رہتا۔ اسے ربوبیت عامہ یعنی تمام نوع انسانی کی پرورش سے تعبیر کیا جاتا ہے۔
8. ربوبیت عامہ کے مقصد عظیم کے حصول کے لئے قرآن کی رو سے ضروری ہے کہ رزق کے سرچشمے افراد کی ملکیت کے بجائے معاشرے کی تحویل میں رہیں تاکہ رزق کی تقسیم ہر ایک کی ضرورت کے لحاظ سے ہوسکے اور اس طرح کوئی انسان دوسرے انسان کا محتاج نہ رہے۔ اسے "قرآنی نظام ربوبیت" کہا جاتا ہے۔

ہمارا مقصد یہ ہے کہ ....

پہلے پاکستان میں اور اس کے بعد ساری دنیا میں اس قرآنی نظام ربوبیت نافذ ہو جائے تاکہ صفات خداوندی کی روشنی میں ہر انسان کی مضمر صلاحیتیں کامل نشوونما پاسکیں اور اس طرح "زمین اپنے پرورش دینے والے کے نور سے جگمگا اٹھے"۔

اگر آپ طلوع اسلام کے اس مسلک اور مقصد سے متفق ہیں تو اس پیغام کو عام کرنے میں طلوع اسلام کا ساتھ دیجئے

اس شمارے میں

★ یوم آزادی
★ باب المراسلات
★ اسلامی دستور کے بنیادی اصول
★ خوش آمدید
★ مجلس اقبال
★ آزادی کے آٹھ سال
★ طلوع اسلام کا مسلک
★ ٹوئن بی سے چھ سوالات
★ معماران پاکستان کا تصور

As. -/6/-

پاکستان کے سرمایہ داروں کے نام
خدا کا پیغام

رزق کا سرچشمہ زمین ھے جسے ھم نے تمام انسانوں کی پرورش کے لئے مفت عطا کیا تھا لیکن تم اس کے مالک ھی بن بیٹھے ہو! ذرا سوچو کہ اس کھیتی میں جو زمین سے پیدا ھوتی ھے تمہارا کتنا حصہ ھے اور ھمارا کتنا؟ افرءیتم ماتحرثون (۵۶/۶۳)۔ تم اتنا ھی کرتے ھو کہ اس میں بیج ڈال دو۔ کیا اسکے بعد یہ قوت بھی تمہیں حاصل ھے کہ اس بیج کو اُگا کر پودا بنا دو! ءآنتم تزرعونہ امنحن الزارعون۔ اگر ھم اس کھیتی کو پروان نہ چڑھائیں تو فصل کا گھر لے جانا تو ایک طرف' بیج کی قیمت کی بھی تم پر چٹی پڑجائے اور تم اپنا سر پیٹ کر پکار اٹھو کہ۔ انا لمغرمون بل نحن محرومون۔ پھر تم اس پانی پر غور کرو جس پر زندگی کا دار و مدار ھے۔ کیا اسے تم بادلوں سے برساتے ھو یا ھمارا قانون ایسا کرتا ھے؟ ءانتم انزلتموہ من المزن امنحن المنزلون۔ اور اس آگ کو دیکھو۔ کیا اس کی حرارت تمہاری پیدا کردہ ھے۔ ءانتم انشاتم شجرتھا ام نحن المنشئون۔ سوچو اور جواب دو کہ

پالتا ھے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون
کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ھے سحاب
کون لایا کھینچکر پچھم سے باد سازگار
خاک یہ کس کی ھے کس کا ھے یہ نور آفتاب
کس نے بھردی موتیوں سے خوشۂ گندم کی جیب
موسموں کو کس نے سکھلائی ھے خوئے انقلاب

بولو! یہ کچھ تم کرتے ھو یا ھم کرتے ھیں؟ پھر بتاؤ کہ تم کس طرح اسے اپنی ملکیت بنائے بیٹھے ھو؟ ھم نے اسے بھوکوں کی بھوک مٹانے کے لئے بنایا تھا۔ نحن جعلنھا تذکرۃ و متاعا للمقوین (۵۶/۷۳) تم نے اسے اپنی عشرت سامانیوں کا ذریعہ بنالیا؟ تم اس پر سے اپنے ذاتی قبضے اٹھالو تاکہ یہ تمام ضرورت مندوں کے لئے یکساں طور پر کھلی رھے۔ سواء للسائلین (۴۱/۱۰) اگر تم نے از خود ایسا نہ کیا تو ھمارا قانون مکافات خود آگے بڑھ کر اسے تم سے چھین لیگا اور تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکوگے۔ وماانتم بمعجزین فی الارض ولافی السماء (۲۹/۲۲)۔

(ماخوز از نظام ربوبیت)

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ہفتہ وار

طلوعِ اسلام

جلد ۸	ہفتہ — ۱۳ر اگست ۱۹۵۵ء	نمبر ۲۸

یوم آزادی

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ (۱۰/۱۴)

پھر ہم نے، سابقہ حکمرانوں کے بعد، زمام اقتدار تمہارے ہاتھ میں دیدی تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کس قسم کے کام کرتے ہو؟

غزل سرائے و نواہائے رفتہ باز آور
باین فسردہ دلاں حرفِ دل نواز آور

آزادی!

اس آسمان کے نیچے، انسان کے لئے اس لفظ (آزادی) سے زیادہ قیمتی لفظ اور کوئی نہیں اسلئے کہ سطح ارض پر صرف انسان ہی وہ مخلوق ہے جو اپنا سر اونچا کرکے چلتی ہے۔ لہٰذا سرفرازی اور انسانیت لازم و ملزوم ہیں۔ اسی کا نام آزادی ہے۔ ہزار خوش بختیاں اور سعادت مندیاں ہیں اس قوم کے حصہ میں جسے دنیا میں آزادی نصیب ہو۔

لیکن بازار بیع و شری میں فطرت بڑی سخت گیر اور خشک چشم سوداگر واقعہ ہوئی ہے۔ وہ اپنی کسی جنس کو دوسرے کے ہاتھوں فروخت نہیں کرتی جب تک اس کی قیمت وصول نہیں کر لیتی۔ اور جو خریدار قیمت کی ادائیگی میں پس و پیش کرتا ہے وہ اس کے ہاتھوں میں دی ہوئی متاع کو واپس لے لیتی ہے۔ وہ جذبات سے متاثر نہیں ہوتی۔ اس کی نگاہ ہمیشہ ترازو کے پلڑوں پر رہتی ہے۔ جب عام چیزوں کے داد و ستد میں فطرت کا انداز یہ ہے تو ظاہر ہے کہ آزادی جیسی متاعِ گراں بہا (بلکہ بے بہا) کے لئے وہ کسی سے کب رعایت برتنے لگی؟ وہ بالکل رعایت نہیں برتتی۔ اس کے دام کھرے اور سودا نقد ہے۔ اس نے دروازے سے باہر جلی حروف میں لکھ رکھا ہے Terms cash آزادی ملتی اسے ہے جو اس کی قیمت ادا کرتا ہے (اور باقی بھی اسی کی رہتی ہے) جو قیمت کی ادائیگی میں تساہل برتتا ہے۔ اس سے آزادی چھن جاتی ہے۔

جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کائنات یونہی بخت و اتفاق کی طرح یونہی وجود میں آگئی اور اس کا کاروبار بھی یونہی ہنگامی طور پر چل رہا ہے۔ یونہی اتفاق سے کسی قوم کو آزادی مل جاتی ہے اور اتفاقی حوادث سے وہ چھن جاتی ہے۔ ان سے تو کچھ کلام نہیں۔ لیکن جو لوگ یہ جانتے ہیں کہ اس کائنات میں ہر فیصلہ ایک قاعدے اور قانون کے مطابق ہوتا ہے اور جو کچھ واقعہ ہوتا ہے وہ کسی خاص عمل کا نتیجہ ہوتا ہے، ان کے لئے اس حقیقت کا بیان نہ کسی تعجب کا باعث ہوگا نہ حیرت کا موجب کہ قوموں کی آزادی اور غلامی کے لئے بھی ایک اٹل قانون مقرر ہے جس میں کسی کے لئے کوئی تغیر و تبدل اور رد و رعایت نہیں ہوتی۔ اسی لئے کہ یہاں نہ کوئی قوم ابناء اللہ (خدا کی چہیتی اولاد) ہے نہ سوتیلی۔ یہاں ہر قوم کا معاملہ ایک ہی قانون کے مطابق فیصل ہوتا ہے اور ہر فرد اور ہر قوم اس قانون سے یکساں فاصلے پر (EQUIDISTANT) ہوتی ہے۔ جس قانون کے مطابق قوموں کو آزادی ملتی اور چھنتی ہے اسے اس ضابطۂ قوانین (قرآن) کی اصطلاح میں "قانونِ استخلاف و استبدالِ قومی"

(LAW OF SUCCESSION AND SUBSTITUTION OF NATIONS)

کہا جاتا ہے۔ قرآن نے جہاں اس قانون کو بیان کیا ہے اس کے ساتھ ہی اس کی تشریح و تبیین بھی اس انداز سے کر دی ہے کہ کسی کو اس کے سمجھنے میں کسی قسم کا الجھاؤ یا ابہام نہ ہو۔ کہیں کائناتی دلائل سے اور کہیں تاریخی شواہد سے۔ اس قانون کی تفصیل و تفسیر تو طویل ہے لیکن قرآن نے اسے ایک مقام پر چند الفاظ میں اس طرح سمٹا کر رکھ دیا ہے کہ بنگاہِ بصیرت سے دیکھا جائے تو اس کے ارتکاز میں قوموں کی زندگی اور موت کے تمام اصول "ایٹم" بن کر دکھائی دینے لگ جاتے ہیں۔ وہ اصول یہ ہے کہ

وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ (۱۳/۱۷)

یعنی زندگی اور بقا اس کے لئے ہے جو نوعِ انسانی کے لئے نفع رساں ہو۔ دنیا میں وہی نظام، وہی حکومت، وہی قوم زندہ رہ سکے اور آگے بڑھ سکے گی جو ایسے پروگرام پر عمل پیرا ہوگی جس میں نوعِ انسانی کے لئے بیش از بیش سامانِ بہبود و منفعت ہوگا۔ کائنات کی طبعی زندگی میں بقاء للاصلح (SURVIVAL OF THE FITTEST) کا قانون جاری ہے۔ لیکن انسانوں کی تمدنی اور معاشرتی زندگی میں "اصلح" وہی ہے جو "انفع" ہے۔ یعنی جو نوعِ انسانی کے لئے زیادہ سے زیادہ نفع بخش ہے۔ اس اصول کے دو حصے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس نظام کو نفع رساں ہونا چاہیئے۔ جو نظام نقصان رساں ہے وہ کبھی باقی نہیں رہ سکتا۔ اور جو نہ نقصان پہنچاتا ہے نہ فائدہ، بقا اس کے نصیب میں بھی نہیں۔ یعنی یہی نہیں کہ جو نظامِ زندگی کی منفی اقدار (NEGATIVE VALUES) رکھتا ہے (اس کو نقصان رساں کہتے ہیں) وہ باقی نہیں رہتا، بلکہ جو جامد ہے، بقا اس کے حصے میں بھی نہیں۔ بقا اور استحکام صرف اس نظام کے لئے ہے جو زندگی کی مثبت اقدار (POSITIVE VALUES) کا مظہر اور نفع رسانیوں کا حامل ہے۔ دوسرا گوشہ اس اصول کا یہ ہے کہ اس نظام کی نفع بخشیاں کسی خاص گروہ، خاص جماعت یا خاص پارٹی یا خاص قوم تک محدود نہ ہوں بلکہ وہ تمام انسانوں کے لئے یکساں طور پر کھلی ہوں۔ اس کی منفعت عالمگیر اور حدود فراموش ہو۔ اگر کسی نظام کی منفعت کوشیاں کسی خاص طبقہ یا پارٹی تک ہی محدود ہو کر رہ جائیں، تو بھی اسے بقا اور استحکام نصیب نہیں ہو سکتا۔

ایک طرف تو یہ نظام ہے۔ دوسری طرف وہ نظام ہے جسے قرآن "بخل" کا نظام کہہ کر پکارتا ہے۔ بخل کے معنی ہیں سب کچھ اپنی ذات کے لئے سمیٹ کر رکھ لینا۔ اس نظام میں برسرِ اقتدار گروہ رزق کے سرچشموں کو اپنی ذاتی ملکیت میں لے کر ان کے ماحصل کو سمیٹتا چلا جاتا ہے۔ اس نظام کو دورِ حاضرہ کی اصطلاح میں، نظامِ سرمایہ داری کہتے ہیں۔ ہمارے ہاں اس نظام کے مظہر بڑے بڑے زمیندار اور جاگیردار۔ اور بڑے بڑے کارخانہ دار اور سوداگر ہیں۔ یہ طبقہ تعداد کے لحاظ سے ملک کی آبادی کا قلیل ترین حصہ ہے لیکن مملکت کی ساری دولت انہی کے قبضہ میں ہے باقی آبادی ان کے رحم و کرم پر جیتی ہے انہی میں سے کچھ لوگ آگے بڑھ کر حکومت کی کرسیوں پر متمکن ہو جاتے ہیں۔ ان کا کام یہ ہوتا ہے کہ ایسے قوانین مرتب کرتے رہیں جن سے اس سرمایہ دار طبقہ کے مفاد محفوظ رہیں۔ یہ ہے وہ نظام جس کے متعلق قرآن کا فیصلہ ہے کہ انہیں کچھ وقت کے لئے بیش پا افتادہ مفاد تو حاصل ہو جاتے ہیں لیکن انہیں استحکام اور بقا کبھی نصیب نہیں ہو سکتی۔ وہ کہتا ہے کہ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ (۴۷/۳۸) جو مفاد پرست نظام یا گروہ سب کچھ سمیٹ کر اپنے لئے مخصوص کر لیتا ہے۔ تو وہ اگرچہ بظاہر یہ سمجھتا ہے کہ اس نے اپنے لئے سب کچھ حاصل کر لیا ہے۔ لیکن وہ درحقیقت اپنے آپ کو زندگی کی خوشگواریوں سے محروم کر رہا ہے۔ وہ انہیں جھنجوڑ کر کہتا ہے کہ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ (۴۷/۳۸) اگر تم نے ہمارے اس قانون سے (کہ باقی وہی رہے گا جو نوعِ انسانی کے لئے زیادہ منفعت بخش ہوگا) روگردانی کی تو سن رکھو کہ خدا کا قانونِ استخلاف و استبدال تمہاری جگہ ایک دوسری قوم لے آئے گا۔ جو تمہارے جیسی نہیں ہوگی۔ انہی کے متعلق وہ اس سورہ کے شروع میں، کہتا ہے کہ یہ لوگ انسانی سطح کی زندگی بسر نہیں کرتے۔ ان کی زندگی حیوانی سطح (ANIMAL LEVEL) کی ہوتی ہے۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا

يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ (۴۷/۱۲) - یہ لوگ جو (خدا کے اس ابدی قانون سے انکار کرتے ہیں) زندگی کا مقصد اتنا ہی جانتے ہیں کہ حیوانوں کی طرح کھایا، پیا، موج اڑائی، اور بس۔ آپ حیوانوں کی زندگی پر غور کیجئے ان کے سامنے صرف اپنا اپنا نفع ہوتا ہے۔ جو بیل خود چارہ کھا رہا ہو اسے اس سے تعلق واسطہ نہیں ہوتا کہ اس کے ساتھ بندھا ہوا بیل کتنے دنوں سے بھوکا ہے۔ اس انداز زندگی کا نتیجہ؟ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ (۴۷/۱۲) ان کی متاع حیات جل کر راکھ کا ڈھیر ہو جاتی ہے۔ اس سے اگلی آیت میں اس کی تصریح کر دی کہ اس قسم کی قومیں تھیں أَهْلَكْنَاهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ (۴۷/۱۳) ہم نے انہیں تباہ و برباد کر دیا۔ اور کوئی انہیں بچا نہ سکا۔ انہی کے متعلق سورۃ انبیاء میں ہے وَكَمْ قَصَمْنَا مِن قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَأَنشَأْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا آخَرِينَ (۲۱/۱۱) اور ہم نے کتنی ہی ایسی قوموں کو تباہ کر دیا، جو حقوق انسانیت میں کمی کیا کرتی تھیں۔ اور ان کی جگہ دوسری قوموں کو لا کھڑا کیا۔ ان تباہ ہونے والی قوموں کی کیفیت یہ تھی کہ فَلَمَّا أَحَسُّوا بَأْسَنَا إِذَا هُم مِّنْهَا يَرْكُضُونَ۔ جب انہوں نے اس تباہی کو اپنے سامنے محسوس شکل میں دیکھا تو اس سے بھاگنے لگے۔ لیکن ہمارے قانون مکافات نے انہیں للکار کر کہا کہ لَا تَرْكُضُوا یہیں کھڑے رہو۔ اب تم بھاگ کر کہاں جا سکتے ہو۔ وَارْجِعُوا إِلَىٰ مَا أُتْرِفْتُمْ فِيهِ وَمَسَاكِنِكُمْ۔ تم نے دوسروں کی کمائی سے اپنے لئے جو سامان عیش فراہم کر رکھا تھا اور کتنے کتنے بڑے محلات تعمیر کر رکھے تھے۔ ذرا ان کی طرف پلٹ کر چلو۔ لَعَلَّكُمْ تُسْأَلُونَ (۲۱/۱۳) تاکہ تم سے یہ پوچھا جائے کہ یہ کچھ تم نے کہاں سے لیا تھا اور تمہیں کیسے حق پہنچتا تھا کہ تم دوسروں کی کمائی پر عیش اُڑاؤ۔

قرآن میں اس قسم کی بے شمار آیات ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ وہ نظام جس میں دولت سمٹ کر چند افراد کے قبضہ میں آ جاتی ہے اور باقی مخلوق اُن کے رحم و کرم پر زندگی کے دن کاٹتی ہے، کس بُری طرح تباہ و برباد ہوتا ہے۔ نہ پھر اس قوم کی مملکت باقی رہتی ہے نہ آزادی۔ اس قوم کی جگہ ایک دوسری قوم لے لیتی ہے۔ یہ فطرت کا اٹل قانون ہے، جو نہ آج تک کسی کی خاطر بدلا ہے۔ نہ بدلے گا۔

اب اس قانون کی روشنی میں پاکستان کا جائزہ لیں تو یہ حقیقت نکھر کر سامنے آ جاتی ہے کہ یہاں "مَا يَنفَعُ النَّاسَ" کا نظام کارفرما نہیں بلکہ "مترفین" کا نظام مکمل مسلط ہے۔ ملک میں معدودے چند لوگوں کا ایک گروہ ہے جو رزق کے تمام سرچشموں پر قابض ہے۔ کچھ لوگ ان میں سے زمینوں پر سانپ بن کر بیٹھے ہیں۔ کچھ کارخانے سنبھالے ہوئے ہیں۔ کچھ تجارت کے نقاب میں کالی منڈیوں (BLACK MARKETS) کے اجارہ دار ہیں۔ کچھ جائیدادوں کے مالک ہیں۔ انہی میں سے کچھ آگے بڑھ کر اسمبلیوں میں پہنچ جاتے ہیں اور پھر وزارت کی کرسیاں سنبھال لیتے ہیں۔ جسے ہم وزارتوں کے ٹوٹنے اور بننے، یا جدید انتخابات کے ذریعے، تبدیلی کہتے ہیں وہ دراصل اس گروہ کے بعض افراد کا دوسرے افراد سے بدلنا ہوتا ہے۔ یعنی اس تبدیلی سے ہوتا صرف اتنا ہے کہ اس گروہ کے کچھ افراد پیچھے چلے جاتے ہیں اور ان کی جگہ (اس گروہ میں سے) نئے افراد آگے آ جاتے ہیں۔ اقتدار بدستور اس طبقہ کے ہاتھ میں رہتا ہے۔ گذشتہ آٹھ سال سے پاکستان میں یہی کچھ ہو رہا ہے اور قرآن کے اُس ابدی اصول کے مطابق جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے، معاشرے میں زندگی اور توانائی کے آثار دن بدن کم ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اور قوم جہنم کی تباہیوں کی طرف کشاں کشاں بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ قوم خود بڑھتی نہیں جا رہی بلکہ اسے ہنکا کر جہنم کی طرف لیجایا جا رہا ہے۔ قرآن کے الفاظ ہیں۔ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ كُفْرًا وَأَحَلُّوا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ (۱۴/۲۸) کیا تو نے ان لوگوں کی حالت پر غور نہیں کیا جنہیں اللہ تعالیٰ نے اتنی بڑی نعمت سے نوازا تھا۔ لیکن انہوں نے اس کی ناسپاس گزاری کی اور اپنے کاروانِ ملت کو اس منڈی میں جا اُتارا جہاں اس جنس کا کوئی خریدار ہی نہیں۔ جَهَنَّمَ (۱۴/۲۹) یعنی وہ انہیں جہنم میں لے گئے۔ قوم کے سادہ لوح جمہور ہر نئی وزارت کی تشکیل اور ہر نئی اسمبلی کی ترتیب کے ساتھ اپنی نئی نئی امیدیں باندھتے اور اس طرح اپنے آپ کو فریب دیتے رہے لیکن اُن کی حالت خراب سے خراب تر ہوتی چلی گئی۔ مفاد پرست گروہ نے بھی انہیں اسی فریب میں مبتلا رکھا کہ نقص افراد کا ہے۔ افراد کے بدلنے سے حالات سدھر جائیں گے۔ اور اس طرح عوام کی توجہ کو اس طرف آنے ہی نہیں دیا کہ نقص افراد کا نہیں بلکہ اس نظام کا ہے جس کے نمائندے یہ افراد ہیں۔ لہٰذا جب تک یہ غلط (غیر قرآنی) نظام نہیں بدلتا، اصلاحِ حال کی کوئی صورت پیدا ہو نہیں سکتی: غلط نظام سے خوشگوار نتائج کی توقع رکھنا، فطرت کے خلاف جنگ ہے۔ جس میں آج تک نہ کسی قوم کو کامیابی ہو سکی ہے نہ ہو سکے گی۔ وَمَا أَنتُم بِمُعْجِزِينَ۔ (۲۹/۲۲)

سرمایہ دارانہ نظام کی خرابیاں اتنی واضح اور دولتمند طبقہ کی بدعنوانیاں اور چیرہ دستیاں اس قدر عیاں ہوتی ہیں کہ ان کے پیش نظر اس نظام کا ایک دن کے لئے ٹھہرنا بھی ناممکن نظر آتا ہے۔ لیکن اس مقصد کے لئے ایک اور گروہ آگے بڑھتا ہے اور اس انسانیت کش نظام کے قیام کے لئے سہارا فراہم کرتا ہے۔ یہ وہ گروہ ہے جو اس نظام کی تائید میں مذہب کی سند پیش کرتا ہے، اور ایک تقدس آمیز دبدبہ سے ڈانٹ کر کہتا ہے کہ جس دولت اور املاک کو خدا اور اس کے رسول نے جائز قرار دیا ہو کس کی مجال ہے کہ انہیں ناجائز ٹھہرائے حالانکہ جس مذہب کو وہ اس کی تائید میں پیش کرتا ہے وہ نہ خدا کا بھیجا ہوا ہوتا ہے نہ اس کے رسول کا دیا ہوا۔ وہ مفاد پرست گروہ کا خودساختہ ہوتا ہے۔ پاکستان میں بھی یہی کچھ ہوا۔ سرمایہ دار طبقہ نے مملکت کی دولت اور اقتدار پر قبضہ جمایا۔ اور مذہبی مفاد پرستوں نے ان کے حق میں فتوے دینے شروع کر دیئے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ جب پنجاب میں یہ تجویز زیر غور تھی کہ بڑے بڑے زمینداروں کی ملکیت کی حدبندی کرنی چاہیئے اور کسی شخص کو اس اجازت نہیں ہونی چاہیئے کہ وہ اتنے رقبے سے زیادہ زمین قبضہ رکھ سکے۔ تو میرزا بشیر الدین محمود (امیر جماعت قادیانی) اور سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی (امیر جماعت اسلامی) نے ملکیت زمین کے موضوع پر مستقل کتابیں شائع کی تھیں۔ مودودی صاحب نے اس میں لکھا تھا کہ

> اسلامی قانون بیع و شری نے کسی نوعیت کی جائز اشیاء کے معاملہ میں بھی یہ پابندی عائد نہیں کی کہ آدمی زیادہ سے زیادہ ایک مخصوص حد تک ہی ان کو خرید سکتا ہو اور اس سے زیادہ کی خریداری کا مجاز نہ ہو۔ خرید و فروخت کا غیر محدود حق جس طرح تمام جائز چیزوں کے معاملہ میں آدمی کو حاصل ہے۔ اسی طرح زمین کے معاملہ میں بھی ہے۔

اس کے بعد تحریر تھا۔

> اسلام نے کسی ملکیت پر بھی مقدار اور کمیت کے لحاظ سے کوئی حد نہیں لگائی۔ جائز ذرائع سے جائز چیزوں کی ملکیت جبکہ اس سے تعلق رکھنے والے شرعی حقوق و واجبات ادا کئے جاتے رہیں، بلا حد و نہایت رکھی جا سکتی ہے۔ روپیہ پیسہ، جانور، استعمالی اشیاء، مکانات، سواری، غرض کسی چیز کے معاملہ میں بھی قانوناً ملکیت کی مقدار پر کوئی حد نہیں۔ پھر آخر تنہا زرعی جائداد میں وہ کونسی خصوصیت ہے جس کی بنا پر صرف اس کے معاملہ میں شریعت کا میلان یہ ہو کہ اس کے حقوق ملکیت کو مقدار کے لحاظ سے محدود کر دیا جائے۔ یا انتفاع کے مواقع سلب کر کے ایک حد خاص سے زائد ملکیت کو آدمی کے لئے عملاً بیکار کر دیا جائے۔

اور آخر میں یہ فتویٰ کہ

> مزارعت (زمین کو بٹائی وغیرہ پر دینے) کی حرمت اور خود کاشتی کی قید اور ملکیت زمین کے لئے رقبہ کی حدبندی اسلام کے مجموعی نظام میں کسی طرح ٹھیک نہیں بیٹھتی۔ (ص ۵۲-۵۷)

اور جب یہ تجویز سامنے آئی کہ ذرائع پیداوار کو انفرادی ملکیت سے نکال کر قومی تحویل میں دیدیا جائے۔ یعنی انہیں (NATIONALISE) کر دیا جائے، تو ارشاد ہوا کہ

> اسلام ذرائع پیداوار کو قومی بنانے کے پروگرام کو بطور اصول کے اختیار نہیں کرتا۔ یہ چیز اسلام کے سارے اجتماعی نظام کے مزاج کے خلاف ہے (ترجمان القرآن ستمبر ۱۹۵۴ء)

آپ غور کیجئے کہ نظام سرمایہ داری کو اس سے بڑا سہارا اور کونسا مل سکتا ہے؟ ان حضرات کی تکنیک یہ ہے کہ یہ نظام سرمایہ داری کی بنیادوں کو تو مضبوط کرتے رہیں گے۔ لیکن حکومت کو اپنے طعن و تنقید کا نشانہ بناتے چلے جائیں گے تاکہ انہیں عوام میں مقبولیت حاصل رہے۔ آپ دیکھیں گے کہ جب تک ایک بڑا زمیندار اپنی زمینداری پر اور ایک بڑا کارخانہ دار اپنے کارخانہ پر بیٹھا رہے گا، یہ اسے کچھ نہیں کہیں گے۔ لیکن ان میں سے جونہی کوئی ایوانِ حکومت میں آیا، انھوں نے اس کی ہوسناکی اور کامجوئی، فحش کاری اور بے حیائی، کاک ٹیل اور کلب کی داستانوں کو اچھالنا شروع کیا۔ اور جونہی وہ حکومت کی کرسی سے الگ

ہوا! ان کے طعن و تشنیع کے نشتروں سے محفوظ ہو گیا، حالانکہ اس شخص میں یہ تمام عیوب اسوقت بھی تھے جب وہ ایوانِ حکومت میں نہیں آیا تھا اور یہی کچھ وہ اسوقت بھی کرتا ہے جب وہ مسندِ حکومت کو چھوڑ کر الگ ہو جاتا ہے۔ جہاں تک ناجائز ذرائع سے روپیہ کمانے کا تعلق ہے یہ حقیقت کسی سے پوشیدہ نہیں کہ آج اس کے لئے تجارت کا میدان سب سے زیادہ سازگار ہے۔ یہ ہمارے اربابِ شریعت ان تاجروں سے تو تھیلیاں وصول کرتے ہیں لیکن جب انہی تاجروں سے کوئی شخص حکومت کی کرسی پر آ بیٹھتا ہے تو اسے بددیانت اور بے ایمان مشہور کر نا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ ہے وہ تکنیک جس سے یہ حضرات نظامِ سرمایہ داری کی جڑیں مضبوط کئے جاتے ہیں اور عوام میں اپنی مقبولیت پر حرف بھی نہیں آنے دیتے۔ سرمایہ دار طبقہ انھیں اپنا محافظ اور پاسبان سمجھتا ہے اور مطمئن ہے کہ اگر ملک میں "لادینی نظام" رائج ہوا تو بھی وہ سرمایہ داری کی حفاظت کریگا (کیونکہ وہ خود انہی کے طبقہ کا تمدین کردہ ہوگا) اور اگر ان اربابِ شریعت کا مدعا کردہ "اسلامی دستور" نافذ ہو گیا تو بھی وہ محفوظ رہیں گے۔ کیونکہ اس دستور کی رو سے سرمایہ داری عینِ اسلام قرار پا جائے گی۔ بلکہ یہ اسلامی دستور لادینی دستور سے کہیں بہتر ہوگا کیونکہ اس میں تو صرف دنیا ہی بنے گی اور اس سے دنیا اور عاقبت دونوں سنور جائیں گی۔

یہ ہے سرمایہ دار طبقہ اور اجارہ دارانِ مذہب کا وہ گٹھ جوڑ جو یہاں اس نظام کو تقویت دے رہا ہے جس کے متعلق قرآن نے کھلے کھلے الفاظ میں کہہ رکھا ہے کہ اس کا نتیجہ تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ طلوعِ اسلام قرآن کی دی ہوئی بصیرت کی روشنی میں اس باطل نظام کی مخالفت میں مسلسل آٹھ سال سے مصروفِ جد و جہد ہے اس لئے کہ اس کا اس قرآنی حقیقت پر ایمان ہے کہ اس نظام میں نہ یہاں اسلام باقی رہے گا نہ پاکستان اور آزادی کی وہ نعمتِ کبریٰ جو شرفِ انسانیت کی بلند ترین دلیل ہے، ہم سے دیکھتے دیکھتے چھن جائے گی۔ ظاہر ہے کہ سرمایہ دار طبقہ کی طرف سے طلوعِ اسلام کی مخالفت ہوگی اور سخت مخالفت۔ لیکن چونکہ طلوعِ اسلام جو کچھ کہتا ہے دین کی بنیادوں پر کہتا ہے اس لئے یہ طبقہ براہِ راست تو اسکی مخالفت کر نہیں سکتا (کیونکہ وہ اپنے آپ کو دین کی سطح پر بات کرنے کا اہل نہیں پاتا) اس لئے ان کی مخالفت ان اربابِ مذہب کے ہاتھوں سامنے آتی ہے جو اس طبقہ کے پشت و پناہ ہیں۔ طلوعِ اسلام جو کچھ کہتا ہے قرآن کی رو سے کہتا ہے۔ یہ حضرات قرآن سے سرمایہ داری کی تائید میں ایک حرف نہیں لا سکتے، اس لئے کہ قرآن تو اس نظام کی جڑ بنیاد کو اکھیڑنے کے لئے آیا تھا۔ اس نظام کی تائید ان روایات سے ہوتی ہے جو نبی اکرمؐ کی وفات کے صدیوں بعد اُس زمانہ میں وضع ہوئیں جب مسلمانوں کے معاشرہ پر نظامِ سرمایہ داری پوری طرح چھا چکا تھا۔ ان حضرات کا دعوےٰ ہے کہ دین، ان روایات کا نام ہے۔ طلوعِ اسلام کا کہنا یہ ہے کہ جو روایت قرآن کے خلاف جاتی ہو وہ کبھی نبی اکرمؐ کی ہو نہیں ہو سکتی اس لئے یہ دیکھنے کے لئے کہ کونسی روایت صحیح ہو سکتی ہے اور کونسی غلط، معیار و مدار قرآن ہے۔ چونکہ یہ حضرات دلیل و برہان سے طلوعِ اسلام کے ان دعاوی کی تردید کر نہیں سکتے اس لئے یہ کہکر عوام کے جذبات کو مشتعل کر دیتے ہیں کہ طلوعِ اسلام منکرِ حدیث ہے۔ (معاذ اللہ) منکرِ شانِ رسالت ہے۔ اور نہ معلوم کیا کیا ہے!

اس طرح یہ لوگ عوام کے ذہن کو دوسری طرف منتقل کر کے، سرمایہ داری کے یکسر غیر قرآنی نظام کو محکم سے محکم تر بنانے کی سعیٔ نامشکور میں دن رات مصروف ہیں۔ یہ حقیقت کہ قرآن کس طرح نظامِ سرمایہ داری کا دشمن ہے اور غلط روایات کس طرح اس نظام کو مذہب کے عین مطابق بنا دیتی ہیں! ایک مثال سے واضح ہو جائے گی۔ قرآن کسی کے پاس فاضلہ دولت جمع نہیں ہونے دیتا' اس لئے کہ نظامِ سرمایہ داری کی اصل بنیاد فاضلہ دولت (SURPLUS MONEY) ہی ہوتی ہے آپ قرآن میں دیکھئے، وہ روپیہ جمع کرنے والوں کو جہنم کا ایندھن بتاتا ہے۔ چنانچہ اس باب میں سورۂ توبہ میں اس نے کہا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ۔ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ۔ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ (۹/۳۴-۳۵)

جو لوگ چاندی اور سونا جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں صرف کرنے کے لئے کھلا نہیں رکھتے، تو انہیں الم انگیز تباہی کی خبر دیدے۔ جب اس دولت کو جہنم کی آگ میں تپایا جائیگا اور اس سے ان کی پیشانیاں ان کے پہلو اور ان کی پشت پر داغ دیا جائیگا اور ان سے کہا جائیگا کہ یہ ہے وہ دولت جسے تم نے اپنی ذات کے لئے جمع کر رکھا تھا۔ لہٰذا جو کچھ تم اس طرح خزانہ بنا کر بیٹھ گئے تھے اب اس کا مزہ چکھو۔

یہ ایسی کھلی ہوئی تعلیم ہے جس کے بعد ایک مسلمان کے لئے دولت جمع کرنے کے جواز کی کوئی صورت ہی نہیں نکل سکتی۔ اور قرآن کے دیگر مقامات نے اس مفہوم کی اور بھی زیادہ وضاحت کر دی ہے۔ اس کی موجودگی میں سرمایہ داری کو کہاں پناہ مل سکتی تھی؟ لیکن اسے ان غلط روایات نے پناہ دیدی جو خود اسی نظام کے موٗیدین کی وضع کردہ ہیں۔ چنانچہ ترجمان القرآن (بابت اپریل ۱۹۵۵ءمیں) اس آیت کو درج کرنے کے بعد لکھا ہے۔

> یہ آیت اپنے عموم کی بنا پر کم یا زیادہ ہر صورت میں مال جمع کرنے پر وعید سناتی ہے۔ صحابہ کبار نے اس بارے میں اضطراب سا محسوس کیا لیکن رسول اللہؐ نے ان کے اضطراب کو یہ فرما کر دور کر دیا اِنَّ اللّٰهَ مایفض خں۔ (ابو داؤد۔ مشکوٰۃ۔ کتاب الزکوٰۃ)

یعنی قرآن کی آیت ۔ کم یا زیادہ ہر صورت میں مال جمع کرنے پر وعید سناتی ہے۔ صحابہؓ کو (معاذ اللہ) اس وعید سے اضطراب پیدا ہوتا ہے (گویا وہ بناہ بخدا سرمایہ داری کی حمایت تھی جنھیں ایسے حکم سے سخت اضطراب پیدا ہوا) اور رسول اللہ (استغفر اللہ) اس اضطراب انگیز تعلیم کو بدل دیتے ہیں! چنانچہ وہ روایت جس کا حوالہ ترجمان القرآن نے دیا ہے یوں ہے۔

> ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ والذین یکنزون الذھب والفضۃ ..... تو مسلمانوں پر اس کا خاص اثر ہوا۔ یعنی انھوں نے اس حکم کو گراں خیال کیا۔ حضرت عمرؓ نے لوگوں سے کہا کہ میں تمہاری فکر کو دور کر دونگا اور اس مشکل کو حل کر دونگا۔ پس حضرت عمرؓ رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ یا نبی اللہ۔ یہ آیت آپ کے صحابہ پر گراں ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ اسی لئے فرض کی ہے کہ وہ تمہارے باقی مال کو پاک کر دے۔ ... ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ، یہ بیان سنکر حضرت عمرؓ نے جوشِ مسرت سے اللہ اکبر کہا۔ (مشکوٰۃ۔ جلد اول۔ کتاب الزکوٰۃ)

آپ نے غور فرمایا کہ اس ایک غلط روایت نے بات کہاں سے کہاں پہنچا دی؟ نتیجہ اس کا یہ ہے کہ قرآن کے احکام کے علی الرغم قارون جتنے خزانوں کا جمع کرتے چلے جانا عین مطابق اسلام قرار پا گیا بشرطیکہ اس میں سے اڑھائی فیصدی کی رقم ہر سال ان فتویٰ دینے والوں کی نذر کر دی جائے۔ تاکہ ہر اس شخص کو ملحد اور بے دین قرار دیتے ہیں جو یہ کہے کہ قرآن تو اس سرمایہ داری کی کہیں اجازت نہیں دیتا اور دولت جمع کرنیوالوں کو جہنم کا ایندھن بتاتا ہے۔ اور جب وہ یہ کہے کہ پاکستان کے آئین کی بنیاد قرآن پر ہونی چاہئیے تاکہ یہاں سے سرمایہ داری کی لعنت دور ہو' تو چاروں طرف سے شور مچایا جائے کہ پاکستان کا آئین ان روایات کی بنیادوں پر مرتب ہوگا۔ اسے لوگ (معاذ اللہ معاذ اللہ) سنتِ رسول اللہؐ قرار دیتے ہیں۔

یہ ہے جو کچھ پاکستان میں ہو رہا ہے۔ طلوعِ اسلام کو نہ کسی سرمایہ دار کی دولت سے کچھ واسطہ ہے نہ ان اربابِ شریعت کے غلط مذہب سے کچھ سروکار۔ اس کے سامنے تو ایک ہی مقصد ہے کہ یہ خطۂ زمین جو ہمیں نصیب ہو گیا ہے، کسی طرح باقی رہ جائے تاکہ اس میں کبھی قرآن کے بتائے ہوئے نقشے کے مطابق معاشرہ قائم ہو سکے۔ چونکہ قرآن کا فیصلہ ہے کہ

مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِى الْاَرْضِ (۱۳/۱۷)

بقا اسی کے حصہ میں آئے گی جو نوعِ انسانی کے لئے منفعت بخش ہوگا' اس لئے وہ علی وجہ البصیرت دیکھتا ہے کہ جو عناصر یہاں نظامِ سرمایہ داری کے استحکام کی کوشش کر رہے ہیں وہ پاکستان کے بہی خواہ نہیں ہیں لہٰذا وہ ان کی مخالفت کرتا ہے ان میں زمیندار، جاگیردار، کارخانہ دار، تجار اور ان کے پشتیبان غلط مذہب کے علمبردار، اور اربابِ اقتدار سب شامل ہیں۔

یہ ہے طلوعِ اسلام کے پیشِ نظر مقصد اور یہ ہے اسکی مخالفت کی اصل وجہ جس کے متعلق معترضین اور ان کے سطح بیں موٗیدین نہ معلوم کیا کچھ سمجھتے اور کہتے رہتے ہیں۔

حیف کہ من بخوں تپم ، وز تو سخن رود کہ تو!
اشک بدیدہ بشمری ، نالہ بہ سینہ بشگری!

جو کچھ ہم نے اوپر لکھا ہے، اسے ہم مسلسل آٹھ برس سے لکھتے چلے آرہے ہیں اور آج، جبکہ اہل پاکستان یوم آزادی کا جشن منانے میں مصروف ہیں، اسے پھر دہراتے ہیں کہ

آزادی اس آسمان کے نیچے خدا کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ لیکن یہ قائم اسی صورت میں رہ سکتی ہے کہ یہاں ایسا نظام رائج ہو جو یہاں کے تمام افراد کے لئے نفع رساں ہو۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ان تمام قوتوں کو شکست دیجئے جو سرمایہ داری کے انسانیت کُش اور غیر قرآنی نظام کو محکم بنانے اور اس طرح پاکستان کو کمزور سے کمزور تر کرنے میں مصروف ہیں۔ یہاں خدا کے متعین کردہ نظام ربوبیت کو نافذ کیا جائے۔ اسی میں پاکستان کا تحفظ اور ہماری آزادی کی بقا کا راز ہے۔ اور اسی سے ہماری دنیا اور آخرت سنورے گی۔

ہم ملک کے سنجیدہ طبقے سے درخواست کریں گے کہ وہ غور سے دیکھیں کہ ہم نے حالات کا جو تجزیہ کیا ہے وہ کس حد تک صحیح ہے۔ اگر وہ ہم سے متفق ہیں کہ وہی یہاں کا اصل مرض ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے اور وہی اس کا علاج ہے جو ہم نے قرآن کی روشنی میں تجویز کیا ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ وہ ان نازک حالات میں جن سے ہم گذر رہے ہیں اپنا کیا فریضہ سمجھتے ہیں؟ یاد رکھئے۔ پاکستان کسی خاص گروہ اور خاص طبقے کی ملکیت نہیں۔ یہ ہم سب کا مسکن و مامن اور ہماری آنے والی نسلوں کا گہوارہ ہے۔ اور ان تمام حسین آرزوؤں کا محور جو ہم نے اس سے وابستہ کی ہوئی ہیں۔ اس لئے اس کا تحفظ اور استحکام ہم سب کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔ لہٰذا ہم میں سے جنہیں اس ذمہ داری کا احساس ہے ان کے ذمے بہت بڑا فریضہ عائد ہوتا ہے۔ انہیں ہر یوم آزادی پر اس کا محاسبہ کرنا چاہیئے کہ وہ کس حد تک اس فریضہ کی ادائیگی سے سبکدوش ہو رہے ہیں۔ اس وقت کرنے کا کام یہ ہے کہ آئین ساز اسمبلی کو اس پر آمادہ کیا جائے کہ وہ پاکستان کا آئین، قرآنی نظام ربوبیت کے خطوط پر مرتب کرے اور اس طرح ان تمام تخریبی قوتوں کو عملاً شکست دیدے جو یہاں نظام سرمایہ داری کے تحفظ و استحکام کی کوشش کر رہی ہیں اور اس طرح پاکستان کو تباہی کے جہنم کی طرف لے جا رہی ہیں۔ اگر آپ کی کوششوں سے اس میں کامیابی ہوگئی تو اس سے یہاں اتنا بڑا خوشگوار انقلاب پیدا ہو جائیگا جس کی نظیر دنیا میں کہیں نہیں مل سکے گی۔ واشرقت الارض بنور ربہا اور یہی پاکستان کے حصول کا مقصد تھا۔ اور یہی جشن آزادی کا صحیح مفہوم ہے۔ اگر یہ نہیں تو پھر یہ سب کچھ محض رسم پرستی اور خود فریبی ہے۔

مرکزی وزارت

مسٹر محمد علی نے بالآخر وزارت عظمیٰ سے استعفا دیدیا ہے۔ ان کا اس عہدے سے کنارہ کش ہونا جمہوری قواعد و ضوابط کے مطابق قابل ذکر یا حیران کن نہیں ہونا چاہیئے۔ پارلیمانی طرز حکومت میں وزیروں کی آمد و رفت لگی ہی رہتی ہے اور مسلّم اصولوں اور معین تقاضوں کے تحت وزارتی شکست و ریخت ہوتا رہتا ہے۔ لیکن ہماری سیاست کے انداز نرالے ہیں۔ یہاں آنے کو تو ہر کہ و مہ آجاتا ہے، لیکن ایک دفعہ آکر وہ جانے کا نام نہیں لیتا۔ جب کوئی بامر مجبوری جاتا ہے (یعنی روانہ کر دیا جاتا ہے) تو ملک اطمینان کا سانس لیتا ہے کہ بالآخر اس کابوس سے گلو خلاصی ہوئی۔ لیکن یہ گلو خلاصی عارضی ثابت ہوتی ہے اور پھر یہ انتظار ہونے لگتا ہے کہ جسے نجات دہندہ سمجھا گیا تھا اس سے کب نجات ہوتی ہے۔ مسٹر محمد علی ناظم الدین وزارت کی برطرفی پر اپریل ۱۹۵۳ء میں پاکستان کے وزیر اعظم بنے تھے۔ برطرف وزارت کا کابوس محترم غلام محمد صاحب، گورنر جنرل، کی مردانہ جرأت سے یک لخت اترا تھا اور اس سے ملک بھر میں خوشی کے شادیانے بجائے گئے تھے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ محمد علی صاحب کو کس بنا پر اس منصب جلیل کے لئے منتخب کیا گیا تھا۔ ان کے ۲۸ مہینوں کے دور حکومت میں ملک چند در چند مصائب میں ہی مبتلا نہیں ہوا۔ بلکہ دنیا بھر میں اضحوکہ بن گیا اور کوئی بات ایسی نہیں ہوئی جس سے یہ سمجھا جائے کہ یہ انتخاب مناسب تھا۔ پاکستانی سیاست جو پہلے ہی ناقابل رشک تھی اسے محمد علی صاحب نے اور گدلا کرنے میں ذرہ برابر عار محسوس نہیں کی۔ ان کا یہ کارنامہ کبھی فراموش نہیں کیا جائے گا اور جب بھی محب وطن پاکستانی اس کا تصور کریں گے، ان کا سر فرط ندامت سے جھک جائے گا کہ انھوں نے اپنی وزارت بچانے کے لئے فضل الحق صاحب کو دلائل و براہین سے "غدار" ثابت کیا، لیکن حالات بدل جانے پر جب اپنی پوزیشن مضبوط کرنے کے لئے انھیں مولوی صاحب کی مدد کی ضرورت پڑی تو بڑی ڈھٹائی سے اپنے "منہ بولے غدار" کو مشرقی پاکستان پر ہی مسلط نہیں کر دیا بلکہ مرکز تک کو اس کی تحویل میں دینے کا راستہ ہموار کر دیا۔ ہمیں خوشی ہے کہ ان کی یہ ریشہ دوانیاں کامیاب نہیں ہوئیں اور ملک اس طائفے کے چنگل میں پھنسنے سے بچ گیا جو دشمنان پاکستان ہندوؤں کا آلۂ کار بنا ہوا ہے۔ اس نقطۂ نگاہ سے مسٹر محمد علی کے استعفے کا جتنا بھی خیر مقدم کیا جائے کم ہے۔

لیکن یہ بہر حال ایک سلبی صورت ہے۔ سوال یہ ہے کہ اب کیا ہوگا؟ پہلا تجربہ ایسا نہیں کہ ہم پھر کسی خوش فہمی میں مبتلا ہوں۔ اس تجربے کی بنا پر یہی ڈر لگتا ہے کہ نباش اول کا جانا نباش ثانی کے آنے کی تمہید ہوگا۔ لہٰذا جن افراد کے ہاتھوں میں ملک کی باگ ڈور ہے، ہم ان کی خدمت میں گذارش کرتے ہیں کہ وہ خدا کے لئے دوربینی سے کام لیں اور مفاد ملکی کو پس پشت نہ ڈالیں، ان پر بڑی نازک ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ وہ ملک کے لئے آئین تیار کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں اور یہ وہ کام ہے جو آٹھ سال سے الجھتا چلا آرہا ہے۔ چونکہ موجودہ جوڑ توڑ کا آئین سازی پر گہرا اثر پڑیگا اس لئے ضرورت ہے کہ شخصی مفادات اور ذاتی اغراض سے بالا ہو کر اس کا تصفیہ کیا جائے۔ قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ مرکز میں مسلم لیگ اور عوامی لیگ کی مخلوط وزارت بن جانے کے امکانات روشن ہیں اور اگر ایسا ہوا تو اس وزارت کی قیادت مسٹر سہروردی کریں گے۔ اس میں اطمینان کا ایک پہلو یہ ہے کہ نام نہاد متحدہ محاذ مرکز پر مسلط نہیں ہو سکے گا اور دوسرا یہ کہ مغربی پاکستان میں (مسلم لیگ کی وساطت سے) اور مشرقی پاکستان میں (عوامی لیگ کی وساطت سے) تسلی بخش مفاہمت کی صورت پیدا ہو جائے گی جو کامیاب آئین کے لئے نیک فال ہے۔ اس صورت میں دونوں حصص ملک کے نمائندے ایک دوسرے کے معاون بن جائیں گے اور طے شدہ معاہدوں کو اپنے علاقوں سے منوا بھی سکیں گے۔ یہ واضح رہے کہ ہم مسٹر سہروردی کی قیادت میں مسلم لیگ اور عوامی لیگ کی مخلوط وزارت کے امکان کو محض اس امید پر خوش آمدید کہتے ہیں کہ اس میں ہمارے فوری مسائل کے خاطر خواہ طور پر حل ہو جانے کا امکان نظر آتا ہے۔ یعنی ایک یونٹ بن جائیگا، متفقہ آئین منظور ہو جائیگا اور آزادانہ انتخابات عمومی کے لئے فضا سازگار ہو جائیگی۔ اگر یہ کچھ نہ ہوا تو حکومت ان خطوط پر بنے یا دیگر خطوط پر، ملک کے لئے اس میں اطمینان کا کوئی پہلو نہیں ہوگا۔

خدا کرے کہ اس دفعہ کا آنیوالا آکر وہ کچھ نہ کرنے لگ جائے کہ ملک پھر اس کے جانے کی دعائیں مانگنے لگ جائے۔

خوش آمدید

ہم نے اپنی سابقہ اشاعت میں خان عبدالغفار خاں کی تخریبی کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا تھا کہ سرحد میں ابھی تک وہ لوگ موجود ہیں جنھوں نے اپنے خلوص، دیانت اور جوش کردار سے نہ صرف سرخ پوش تحریک ہی کو شکست دی تھی بلکہ پاکستان کو ان تمام مخالفتوں کے علی الرغم قائم کر کے دکھا دیا تھا۔ ہم نے کہا تھا کہ اگر زمام کار ان لوگوں کے ہاتھ میں آجائے تو عبدالغفار خاں صاحب کا از سر نو جگایا ہوا فتنہ پھر سے دفن کیا جا سکتا ہے۔ ان مخلص مجاہدین کی فہرست میں محترم خان بخت جمال خاں صاحب کا نام سب سے اوپر ہے۔ یہ وہ بطل جلیل ہے جس کی ساری عمر آزادی کی جنگ میں گزر گئی۔ پہلے یہ انگریز کے خلاف جنگ آزادی کے نشہ میں سرشار سرخ پوش تحریک کو لیکر آگے بڑھے تو سرحد کے پہاڑوں تک کو ہلا دیا۔ پھر جب یہ معلوم ہوا کہ اس تحریک کا رخ کعبہ کی بجائے بنارس کی طرف ہے تو یہ پوری ہمت اور مردانگی سے اسے چھوڑ کر تحریک پاکستان کی طرف آگئے اور چند دنوں میں مسلمانان سرحد کی رگوں میں زندگی کا تازہ خون دوڑا دیا۔ (یہ سرحد مسلم لیگ کے پہلے صدر تھے اور اگرچہ اس کے بعد کئی صدر آئے اور گئے لیکن اہل سرحد ابھی تک "صدر صاحب" انہی کو کہتے ہیں)۔ کانگریسی حکومت اور عبدالغفار خاں صاحب کی گاندھویت کے مقابلہ میں پاکستان کے حق میں ریفرنڈم کی کامیابی کا سہرا انہی صدر صاحب کے سر تھا۔ لیکن یہ سب کچھ ہو چکنے کے بعد جب سرحد میں پاکستان کی مسلم لیگی حکومت قائم ہوئی تو اس کا سب سے پہلا وار اسی بخت جمال خاں اور اس کے رفقاء پر ہوا۔ اس لئے کہ ارباب ہوس کو اس کا علم تھا کہ یہ لوگ ان کی بدعنوانیوں کو کبھی برداشت نہیں کریں گے۔ ان

باقی صفحہ ۱۱ پر

سُنّتِ رسول اللہ کے متعلق

طلوعِ اسلام کا مسلک

حافظ زین الدین عراقی، جو بہت بڑے پایہ کے محدث ہیں، سیرتِ منظوم کے دیباچے میں لکھتے ہیں۔

ولیعلم الطالب ان السیر
تجمع ما صح وما قد انکر

طالب کو جاننا چاہیئے کہ سیرت میں ہر قسم کی روایتیں ہوتی ہیں صحیح بھی اور غلط بھی۔

طلوعِ اسلام بھی یہی کہتا ہے اور یہ جانچنے کے لئے کہ کونسی روایت صحیح ہے اور کونسی غلط یہ معیار مقرر کرتا ہے کہ

(۱) جو روایت قرآن کے خلاف جاتی ہو وہ غلط ہے۔ اس لئے کہ حضور رسالتمآبؐ کا کوئی قول یا عمل قرآن کے خلاف ہو نہیں سکتا۔

(۲) جس روایت سے حضورؐ کی سیرت داغدار ہوتی ہو وہ صحیح نہیں ہو سکتی کیونکہ حضورؐ سیرت و کردار کے بلند ترین مقام پر فائز تھے اور آپ کی حیاتِ طیبہ معراجِ انسانیت کا آئینہ تھی۔

اگر کوئی شخص اس مسلک کو قابلِ اعتراض سمجھتا ہے تو طلوعِ اسلام اس کے اس اعتراض کو کوئی وقعت نہیں دیتا، اس لئے کہ اس کے نزدیک ذاتِ رسالتمآبؐ کی عظمت ان اعتراضات سے بہت بلند ہے۔

اور اگر کوئی شخص اس باب میں اس کے سوا کوئی اور بات طلوعِ اسلام کی طرف منسوب کرتا ہے تو وہ تہمت تراشتا اور غلط پراپیگنڈہ کرتا ہے۔

حدیث کے متعلق

طلوعِ اسلام کا مسلک

"یہ حقیقت یقیناً ناقابلِ انکار ہے کہ شارع نے غایت درجہ کی حکمت اور کمال درجہ کے علم سے کام لے کر اپنے احکام کی بجا آوری کے لئے زیادہ تر ایسی ہی صورتیں تجویز کی ہیں جو تمام زمانوں اور تمام مقامات اور تمام حالات میں اس کے مقاصد کو پورا کرتی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود بکثرت جزئیات ایسی بھی ہیں جن میں تغیرِ حالات کے لحاظ سے احکام میں تغیر ہونا ضروری ہے۔ جو حالات عہدِ رسالتؐ اور صحابہؓ میں عرب اور دنیائے اسلام کے تھے، لازم نہیں کہ بعینہٖ وہی حالات ہر زمانہ اور ہر ملک کے ہوں۔ لہٰذا احکامِ اسلامی پر عمل کرنے کی جو صورتیں اُن حالات میں اختیار کی گئی تھیں، انہیں ہو بہو تمام زمانوں اور تمام حالات میں قائم رکھنا اور مصالح و حِکَم کے لحاظ سے ان کی جزئیات میں کسی قسم کا رد و بدل نہ کرنا ایک طرح کی رسم پرستی ہے جس کو روحِ اسلامی سے کوئی واسطہ نہیں۔"

(سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ تفہیمات حصہ دوم۔ صفحہ ۲۷-۳۲۹)

طلوعِ اسلام کا بھی یہی مسلک ہے کہ قرآنی اصولوں کی جو جزئیات نبی اکرمؐ نے متعین فرمائی تھیں، اگر ان میں سے کسی میں، زمانے کے بدلتے ہوئے حالات کے مطابق کسی تبدیلی کی ضرورت ہو تو وہ تبدیلی کی جا سکتی ہے لیکن

(۱) یہ تبدیلی صرف وہ اسلامی نظام کر سکتا ہے جو علیٰ منہاجِ نبوت، قرآنی حکومت کے قیام کے لئے وجود میں آئے۔ ہمیں یا آپ میں سے کسی فرد کو اس تبدیلی کا حق حاصل نہیں اور

(۲) جب تک ایسا نظام قائم نہ ہو اور وہ ایسی تبدیلی نہ کر دے۔ اس وقت تک ان احکام میں کوئی رد و بدل نہیں کرنا چاہیئے۔

اگر کوئی شخص اس باب میں طلوعِ اسلام کے متعلق کچھ اور کہتا ہے تو وہ جھوٹا پراپیگنڈہ کرتا ہے۔

اور معتقدات کے متعلق!

اسلام اس کا سخت مخالف ہے کہ معتقدات کے معاملہ میں کورانہ تقلید کی جائے اور مذہبی فرائض کو رسماً ادا کر لیا جائے۔ اسلام نے جہالت اور تعصب کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی اور انسانی عقل و فکر کو خواب سے بیدار کیا۔ اس نے کہا کہ انسان اس لئے نہیں بنایا گیا کہ کوئی دوسرا شخص اس کی مہار پکڑ کر اسے چلاتا جائے۔ وہ اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ عقل و فکر، اور علوم و فنون کی روشنی میں اپنی راہ نمائی آپ کرے۔ یعنی علوم فطرت (سائنس) اور تاریخی شواہد کی مشعل ہاتھ میں لے کر آگے بڑھتا چلا جائے۔ اسلام اس کا سخت مخالف ہے کہ جو باتیں ہمارے پاس ہمارے اسلاف سے منتقل ہوتی چلی آ رہی ہیں۔ انہیں بلاتحقیق و تنقید صحیح سمجھ کر اختیار کر لیا جائے۔ اس کا کہنا یہ ہے کہ محض یہ بات کہ ایک شخص ہم سے پہلے گذر چکا ہے اس کی سند نہیں ہو سکتی کہ وہ شخص علم میں ہم سے بڑھ کر اور فہم و فراست میں ہم سے آگے تھا۔ فطری استعداد اور قلب و دماغ کی صلاحیتوں کے اعتبار سے اسلاف اور اخلاف میں کوئی فرق نہیں ہو سکتا۔

اس طرح اسلام نے انسانی فکر و بصیرت کو ان تمام زنجیروں سے آزاد کر دیا جس میں وہ صدیوں سے جکڑے چلی آ رہی تھی۔ اور اسے کورانہ تقلید سے نجات دلا کر آزادی کی وہ فضائے بسیط عطا کر دی جس میں وہ اپنی جد و جہد سے اپنے لئے آپ فیصلے کر سکے۔ صرف اس شرط کے ساتھ کہ جو حدود و قوانین خداوندی نے متعین کر دی ہیں۔ ان سے تجاوز نہ کیا جائے۔ ان حدود کے اندر انسانی علم و عقل پر کوئی پابندی نہیں عائد کی گئی۔ نہ ہی اس کی راہ میں کوئی رکاوٹیں پیدا کی گئی ہیں۔"

(مفتی محمد عبدہٗ مرحوم۔ در رسالۃ التوحید)

معمارانِ پاکستان کا تصوّر — پاکستان سے متعلق

علامہ اقبال

پاکستان کا تصور علامہ اقبال کا دیا ہوا ہے۔ حصولِ پاکستان کے بعد وہ پاکستان میں کس قسم کا نظام دیکھنا چاہتے تھے۔ اس کے متعلق انھوں نے اپنا نظریہ اس خط میں واضح کیا تھا جو انہوں نے ۲۸ مئی ۱۹۳۷ء کو قائداعظم کے نام تحریر فرمایا تھا۔ انھوں نے اس خط میں پہلے یہ بتایا کہ مسلم لیگ کا نصب العین کیا ہونا چاہئیے۔ اور اس کے بعد یہ کہ اگر ان کے تصور کے مطابق مسلمانوں کی جداگانہ مملکت قائم ہوگئی تو اس کا نظام کن خطوط پر متشکل ہونا چاہئیے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں

لیگ کو آخرالامر یہ طے کرنا ہوگا کہ وہ ایک ایسی جماعت رہنا چاہتی ہے جو صرف مسلمانوں کے اعلیٰ طبقہ کی نمائندگی کرے یا وہ عوام کی نمائندگی کرنا چاہتی ہے۔ اس وقت تک عوام نے لیگ میں کوئی دلچسپی نہیں لی۔ اور اس کی ان کے پاس وجوہات ہیں۔ ذاتی طور پر میرا خیال ہے کہ کوئی سیاسی جماعت جو مسلمانوں کے متوسط طبقہ کی مرفع الحالی کا وعدہ نہیں دے سکتی عوام کے لئے کبھی جاذب نگاہ نہیں بن سکے گی (اس وقت حالت یہ ہے کہ) آئین جدید (یعنی ۱۹۳۵ء کے آئین) کے مطابق اعلیٰ ملازمتیں امراء کے بیٹوں کے حصہ میں آجائیں گی اور نچلی ملازمتیں وزراء کے دوستوں اور رشتہ داروں کے لئے وقف ہو جائیں گی (عوام اور متوسط درجہ کے مسلمانوں کا ان میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔ یہ تو رہا ملازمتوں کی بابت، اسی طرح) دیگر معاملات میں بھی ہمارے سیاسی اداروں نے کبھی عوام کی مرفہ الحالی کے متعلق کچھ نہیں سوچا۔ روٹی کا مسئلہ دن بدن نازک ہوتا چلا جارہا ہے مسلمان محسوس کر رہا ہے کہ وہ گزشتہ دو سو سال سے نیچے ہی نیچے جا رہا ہے۔ ... اس لئے سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کے افلاس کا علاج کیا ہو۔ لیگ کا مستقبل اسی سوال کے حل پر موقوف ہے۔ اگر لیگ نے اس باب میں کچھ نہ کیا تو مجھے یقین ہے کہ عوام اس سے اسی طرح بے تعلق رہیں گے جس طرح اس وقت تک اس سے بے تعلق رہے ہیں۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ اسلامی آئین کے پاس اس مسئلہ کا حل موجود ہے۔ اس آئین کو دورِ حاضرہ کے تصورات کی روشنی میں مزید نشوونما (DEVELOPMENT) دی جا سکتی ہے۔ اسلامی آئین کے طویل اور گہرے مطالعہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ اگر اس نظام کو اچھی طرح سے سمجھ کر نافذ کر دیا جائے تو اس سے کم از کم ہر فرد کو سامانِ پرورش (SUBSISTENCE) ضرور مل جاتا ہے (ہندوؤں کے پاس اس مسئلہ کا کوئی حل نہیں) اگر ہندوؤں نے اشتراکی جمہوریت (SOCIAL DEMOCRACY) کو اپنے ہاں قبول کر لیا تو ہندومت کا خاتمہ ہو جائے گا۔ لیکن اسلام کے لئے اشتراکی جمہوریت کو ایسے مناسب انداز سے قبول کر لینا جس سے یہ اس کے اصولوں سے ٹکرائے نہیں، اسلام میں کسی تبدیلی کے مرادف نہیں ہوگا۔ بلکہ اس سے مفہوم یہ ہوگا کہ ہم اسلام کو پھر سے اس منزہ صورت میں اختیار کر رہے ہیں جیسا وہ شروع میں تھا۔

قائداعظم

۱۹۴۱ء میں قائداعظم حیدرآباد دکن تشریف لے گئے تو انھوں نے چند نوجوانوں کے سوالات کے جواب میں جو کچھ فرمایا اس کا ملخص حسب ذیل ہے:۔

جب میں انگریزی زبان میں مذہب کا نام سنتا ہوں تو اس زبان اور قوم کے محاورے کے مطابق لامحالہ میرا ذہن خدا اور بندے کی باہمی نسبت اور رابطہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ لیکن میں بخوبی جانتا ہوں کہ اسلام اور مسلمانوں کے نزدیک مذہب کا یہ محدود اور مقید مفہوم یا تصور نہیں ہے میں نہ کوئی مولوی ہوں نہ ملّا۔ نہ مجھے دینیات میں مہارت کا دعوےٰ ہے البتہ میں نے قرآن مجید اور قوانینِ اسلامیہ کے مطالعہ کی اپنے طور پر کوشش کی ہے اس عظیم الشان کتاب کی تعلیمات میں انسانی زندگی کے ہر باب کے متعلق ہدایات موجود ہیں۔ زندگی کا روحانی پہلو ہو یا معاشرتی، سیاسی ہو یا معاشی غرضیکہ کوئی شعبہ ایسا نہیں جو قرآنی تعلیمات کے احاطے سے باہر ہو۔ قرآن کریم کی اصولی ہدایات اور سیاسی طریق کار نہ صرف مسلمانوں کے لئے بہترین ہیں بلکہ اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کے لئے حسن سلوک اور آئینی حقوق کا جو حصہ ہے اس سے بہتر تصور ناممکن ہے۔ ..... اشتراکیت بالشویکیت یا دیگر اسی قسم کے سیاسی اور معاشی مسلک دراصل اسلام اور اس کے نظام سیاست کی غیر مکمل اور بھونڈی سی نقلیں ہیں۔ ان میں اسلامی نظام کے اجزا کا سا رابطہ اور تناسب و توازن نہیں پایا جاتا۔ ..... اسلامی حکومت میں اطاعت اور وفاکیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے۔ جس کے لئے تعمیل کا مرکز قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ کسی پارلیمان کی، نہ کسی اور شخص یا ادارہ کی قرآن کریم کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول اور احکام کی حکمرانی ہے اور حکمرانی کے لئے آپ (جس نوعیت کی بھی چاہتے ہوں) بہرحال آپ کو علاقہ اور سلطنت کی ضرورت ہے۔

یکم جولائی ۱۹۴۸ء کو سٹیٹ بنک آف پاکستان کا افتتاح کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:۔

میں آپ کے تحقیقاتی ادارہ کی سرگرمیوں کا بڑے شوق سے مطالعہ کرتا رہوں گا اور دیکھتا رہوں گا کہ وہ کس طرح بنکاری کے وہ طریقے رائج کرتا ہے جو اسلام کے معاشری اور معاشی اصولوں سے مطابقت رکھتے ہیں مغرب کے معاشی نظام نے انسانیت کے لئے ان گنت مشکلات پیدا کر دی ہیں اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ اب اسے تباہی سے کوئی معجزہ ہی بچا سکتا ہے یہ انسان اور انسان کے درمیان انصاف کرنے اور بین الاقوامی کشیدگی کو کم کرنے میں وہ صریحاً ناکام رہا ہے۔ دنیائے مغرب مشینی ترقی اور صنعتی ہنرمندی کے باوجود ایسی مشکل میں گھری ہوئی ہے کہ اس کی یہ حالت کبھی نہیں ہوئی تھی۔ اب مغرب کے معاشی نظریات کے اپنانے سے ہم مسرتوں اور خوشحالیوں سے ہمکنار نہیں ہو سکتے ہیں۔ ہمیں اپنی تقدیر اپنے طور پر متشکل کرنا ہوگی اور دنیا کو ایسا معاشی نظام دینا ہوگا جو اسلام کے مساوات انسانی اور عدلِ عمرانی کے اصولوں پر مبنی ہو۔ اس طرح ہم مسلمان کی حیثیت سے اپنا مشن

(باقی پچھلے کالم کے نیچے)*

* پورا کر سکتے ہیں۔ اور انسانیت کو امن کا پیغام دے سکتے ہیں جو تحفظ اور اس کی فلاح اور بہبود کا ضامن ہو سکتا ہے۔

اسلامی دستور کے بنیادی اصول

۱۔ جب کوئی معاملہ زیر غور ہو تو اس کے متعلق سب سے پہلے یہ دیکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس کی بابت کیا اصول دیا ہے۔

۲۔ قرآن کریم عام طور پر زندگی کے معاملات کے متعلق اصولی تعلیم دیتا ہے۔ ان اصولوں پر مختلف زمانوں میں ہر زمانہ کی ضرورت کے مطابق عمل کرنا ہوتا ہے۔

۳۔ لہٰذا دوسری بات دیکھنے کی یہ ہوگی کہ اس معاملہ کے متعلق ہمارے زمانہ کی ضروریات اور ہماری مملکت کے تقاضے کیا ہیں؟

۴۔ پھر یہ دیکھنا ہوگا کہ قرآن کے اس اصول کی کوئی عملی شکل احادیث کے مجموعوں میں، یا فقہ کی کتابوں میں ملتی ہے؟

۵۔ اگر احادیث یا فقہ میں کوئی ایسی شکل مل جائے جو ہمارے زمانے کے تقاضوں کو ٹھیک پورا کرتی ہے تو اس شکل کو اسی طرح اختیار کر لیا جائے۔

۶۔ اگر ان کتابوں میں کوئی شکل نہ ملے، یا ایسی شکل ملے جو ہمارے زمانے کے تقاضوں کو پورا نہ کرتی ہو، تو جو شکل وہاں ملے اس میں مناسب ردّ و بدل کر لیا جائے یا حسب ضرورت کوئی نئی شکل خود مرتب کر لی جائے۔

۷۔ اسلامی مملکت میں تمام افراد مملکت کی بنیادی ضروریات زندگی کی بہم رسانی کی ذمہ داری مملکت کے سر ہوگی۔ یعنی یہ مملکت کا فریضہ ہوگا کہ وہ دیکھے کہ کوئی شخص یا اس کے بیوی بچے، کسی حالت میں بھی بنیادی ضروریات زندگی مثلاً روٹی، کپڑا، مکان، دوائی وغیرہ سے محروم نہ رہے۔

۸۔ اسی طرح یہ بھی مملکت کے ذمہ ہوگا کہ وہ ہر فرد مملکت کی صلاحیتوں کے پورے پورے نشوونما کے لئے ضروری انتظام کرے۔

۹۔ مملکت ان اہم ذمہ داریوں سے اسی صورت میں عہدہ برا ہو سکتی ہے جب کہ رزق کے سرچشمے، یعنی وسائل پیداوار افراد کی ذاتی ملکیت سے نکال کر مملکت کی مشترکہ تحویل میں رکھے جائیں۔

۱۰۔ اسلامی مملکت میں تمام افراد کو انصاف بلاقیمت ملے گا۔ یعنی کسی شخص کو عدالت سے فیصلہ لینے میں کچھ خرچ نہیں کرنا پڑے گا۔

۱۱۔ اسلامی مملکت میں ہر کام کے لئے افراد کا انتخاب ان کی ذاتی جوہروں کی بنا پر ہوگا نہ کہ اضافی نسبتوں کی بنا، پر اس کے ساتھ ہی اس امر کا بھی پورا پورا انتظام کرنا ہوگا کہ جن افراد کو ملت کسی فریضہ کی سرانجامی کے لئے انتخاب کرتی ہے، انہیں عند الضرورت الگ کرنے کے اختیارات بھی ملت کے پاس رہیں۔ اس میں صدر ریاست سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے فریضے کے حامل سب شامل ہیں۔

۱۲۔ اسلامی مملکت میں قانون کی نگاہ میں سب یکساں ہوں گے اور حکومت کے ملازمین کو بھی اس باب میں کسی قسم کی کوئی خصوصیت نہیں ہوگی۔ اس کے ساتھ ہی ملازمین حکومت کو یہ حق ہوگا کہ وہ اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹا سکیں۔

۱۳۔ اسلامی حکومت اس قسم کے نظام کی ابتداء اپنے ہاں سے کرے گی۔ لیکن اس کے سامنے تمام نوع انسانی کی فلاح و بہبود ہوگی۔ اور اس کا ہر قدم اسی منتہیٰ کی طرف اٹھے گا۔

۱۴۔ قانون کے الفاظ اور حکومت کی شکل کوئی بھی کیوں نہ ہو، اگر کوئی دستور مندرجہ بالا ضروریات کو پورا کرتا ہے تو وہ اسلامی دستور کہلائے گا اور اگر ان میں سے کوئی ایک شق بھی پوری نہیں ہوتی تو اس مملکت کا دستور غیر اسلامی ہوگا۔

اگر آپ ان اصولوں سے متفق ہیں تو مجلس آئین ساز کے اراکین میں سے ایک ایک کو لکھئے کہ وہ ان خطوط پر پاکستان کا آئین مرتب کرنے کی کوشش کریں۔ اگر ان اصولی اشارات میں سے کسی کی مزید تشریح کی ضرورت ہو تو اس کے لئے ادارہ طلوع اسلام ہر وقت حاضر ہے۔

اس میں نہ ہی مُلّائیت ہو گی

"پاکستان کی جدوجہد کو مذہب سے تعبیر کیجئے تو ہمارے علماء کی ایک جماعت بغیر اس بات کے سمجھنے کے کہ کام کی نوعیت، تقسیم عمل اور اس کے اصل حدود کیا ہیں ان امور کو صرف چند مولویوں کا اجارہ خیال کر لیتی ہے اور (اپنے حلقہ سے باہر) اہلیت و مستعدی کے باوجود مجھ میں یا آپ میں (یعنی کسی اور میں) اس خدمت کے سرانجام دینے کی کوئی صورت نہیں دیکھتی۔ حالانکہ اس منصب کی بجاآوری کے لئے جن اجتہادی صلاحیتوں کی ضرورت ہے، انہیں میں ان مولوی صاحبان میں (الا ماشاء اللہ) نہیں پاتا اور پھر مشکل اندر مشکل یہ کہ وہ اس مشن کی تکمیل میں دوسروں کی صلاحیتوں سے کام لینے کا سلیقہ بھی نہیں رکھتے۔"

(قائداعظم ۱۹۴۱ء)

"گذشتہ ایک ہزار سال سے زیادہ عرصہ میں اسلام نے استبداد کے ہاتھوں بڑا نقصان اٹھایا ہے۔ ہوا یہ کہ ان مستبد حکمرانوں نے اسلام کو بطور ایک آلۂ کار کے استعمال کیا۔ مفاد پرست گروہ ان کے ساتھ تھا۔ اور مذہبی پیشوا (علماء) ملوکیت اور مفاد پرستی کے منشاء کے مطابق اسلام کی تاویلات کرتے جاتے تھے۔ اور چونکہ یہ سمجھا جاتا تھا کہ یہی مذہب کے واحد ٹھیکیدار ہیں۔ اس لئے جو کچھ یہ کہتے ہیں وہی مذہب بن جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام ایک کھلی ہوئی کتاب ہے جسے ہر شخص خواہ وہ مولوی یا سرکاری دفتر کا ملازم یا کسی دوکان کا ازخود پڑھ سکتا ہے۔ خدا کا احسان ہے کہ ہمارے ہاں ذات پات کی کوئی تمیز نہیں، نہ ہی ہمارے ہاں پنڈتوں کا کوئی گروہ ہے اور نہ ہی اس قسم کا تصور کہ اس گروہ کے باہر باقی لوگ ذہنی طور پر اچھوت ہیں۔۔۔۔۔ اب کرنے کا کام یہ ہے کہ اس ہزار سالہ عرصہ میں اسلام مستبد ملوکیت اور مفاد پرستانہ پیشوائیت کے جس ملبے کے نیچے دب چکا ہے اسے وہاں سے نکالا جائے۔۔۔۔ پاکستان میں اس قسم کی ملوکیت کی استبداد یا پیشوائیت کی خدائی کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ ہم حریت فکر و نظر کے قائل ہیں اور تمام انسانوں کے لئے زندگی کے ہر شعبے میں یکساں مواقع بہم پہنچانے کے حامی ہیں۔ ہمارے تعلیم یافتہ طبقہ کا کام یہ ہے کہ وہ لوگوں میں ان بلند اقدار کی روح پھونک دیں جنہیں قرآن پیش کرتا ہے اور جن کے بغیر کوئی قیادت اخلاقی اور روحانی ترقی نہیں کر سکتی۔"

(گورنر جنرل مسٹر غلام محمد ۱۹۵۲ء)

مجلسِ اقبال

(شہرِ مرغدین)

ترتیب کے اعتبار سے اس اشاعت میں مثنوی اسرارِ خودی کی اگلی قسط سامنے آنی چاہیئے تھی لیکن چونکہ یہ پرچہ یومِ آزادی کی تقریب پر شائع ہو رہا ہے۔ اس لئے یہ مناسب سمجھا گیا کہ اس میں پاکستان کے اس تصور کو پیش کیا جائے جو علامہ اقبال کی نگاہ میں تھا۔ قارئین کو یاد ہوگا کہ پاکستان، حضرت علامہ کی وفات کے بہت عرصہ بعد وجود میں آیا تھا۔ لیکن اس کا تصور انھوں نے الہ آباد کے خطبۂ صدارت (۱۹۳۰ء) میں پیش کیا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ وہ اپنی شہرہ آفاق کتاب جاوید نامہ کی ترتیب و تدوین میں مصروف تھے۔ اس کتاب میں انھوں نے اپنی سیرِ افلاک کی داستان بیان کی ہے۔ وہ اس سیر میں "فلکِ مریخ" میں "شہرِ مرغدین" میں پہونچتے ہیں۔ جس طرح یہ شہر اور وادیاں تصوراتی ہیں، اسی طرح ان کے نام بھی حضرت علامہ کے خود ہی تراشیدہ ہیں۔ مرغدین کا نام اس حقیقت کی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ یہ اس سرسبز و شاداب بستی کا نام ہے جس کا نظام دین کی بنیادوں پر استوار ہے۔ بالفاظِ دیگر حضرت علامہ نے اس میں یہ بتایا ہے کہ اگر دنیا کے کسی خطہ میں دین کے اصولوں پر معاشرہ قائم ہو جائے تو وہاں کی زندگی کا نقشہ کیا ہوگا۔ چنانچہ حضرت علامہ نے پاکستان کی تجویز ہی اس لئے کی تھی کہ یہاں کے بسنے والے مسلمان اپنی زندگی کو قرآنی نظام کے مطابق بسر کر سکیں، اس لئے جو کچھ انھوں نے مرغدین کے متعلق کہا ہے۔ اس سے ان کا مقصود اس پاکستان کا معاشرتی نقشہ تھا جو اس زمانہ میں ان کے ذہن میں گردش کر رہا تھا۔ چنانچہ اس داستان کا عنوان ہی انھوں نے "گردش در شہرِ مرغدین" تجویز کیا تھا۔ اس عنوان کے ماتحت وہ لکھتے ہیں کہ

مرغدین و آن عماراتِ بلند   من چہ گویم زان مقامِ ارجمند

مرغدین کی وہ بستی ہے۔ جس میں بڑی بڑی سربفلک عمارات ہیں۔ میں کیا بتاؤں کہ وہ بستی کیسی ہے اور اس کا مقام کتنا بلند ہے۔ مختصراً یوں سمجھئے کہ

ساکنانش در سخن شیریں چو نوش   خوب رو و نرم خو و سادہ پوش

اس میں رہنے والوں کی زبان شہد سے بھی زیادہ میٹھی اور وہ خود نہایت حسین، خوشگل، مزاج اور عادات کے اعتبار سے بہت نرم اور سادہ۔ اس حقیقت پر غور کیجئے کہ اُس شہر کی عمارتیں تو بہت بلند بتائی گئی ہیں۔ لہٰذا ان کی سادگی سے یہ مقصود نہیں کہ وہ جھونپڑیوں میں بستے تھے یا وہاں راہبوں کی تنگ و تاریک کوٹھریاں تھیں۔ سربفلک عمارتیں لیکن ان میں بسنے والے نہایت سادہ

فکرِ شاں بے دردِ و سوزِ اکتساب   رازدانِ کیمیائے آفتاب

وہاں فارغ البالی اور مرفع الحالی کی یہ کیفیت ہے کہ انھیں اکتسابِ معاش کے لئے کسی قسم کی کوئی پریشانی اٹھانی نہیں پڑتی۔ یہ نہیں کہ وہ محض روٹی کے مارے مارے پھر رہے ہوں اور ان کی ساری زندگی انہی مشقتوں اور مصیبتوں میں بسر ہو جائے۔ ان کے دماغ معاش کی فکر سے بالکل آزاد ہیں۔ اور اس کے لئے انھیں جانکاہ مشقتیں نہیں اٹھانی پڑتیں۔ یہی وہ چیز ہے جس کے متعلق قرآن نے قصۂ آدم کے تمثیلی بیان میں کہا ہے کہ اے ابنائے آدم اگر تم وحی کے نظام کو چھوڑ کر اپنے خود ساختہ نظام کے مطابق زندگی بسر کرو گے۔ تو یاد رکھو تمہیں زندگی کی بنیادی ضروریات کے لئے بھی جگر پاش مشقتوں میں سے گزرنا پڑے گا۔ اور یہ تمہاری نہایت بدبختی ہوگی اسی باب میں سورۂ طٰہٰ کی ۱۱۶ سے ۱۲۴ آیات کو دیکھئے جن میں آخر میں یہ کہا گیا ہے کہ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ (۲۰/۱۲۳) جب خدا کی رہنمائی کے مطابق معاشرہ قائم ہوگا تو اس میں نہ کسی کی محنت رائگاں جائے گی اور نہ ہی اسے ضروریاتِ زندگی کے لئے پریشانیاں اٹھانی پڑیں گی۔

حضرت علامہ نے مرغدین کا یہی نقشہ پیش کیا ہے کہ اس میں

فکرِ شاں بے دردِ و سوزِ اکتساب

لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ زمانۂ قبل از تاریخ کی زندگی بسر کر رہے ہیں، جس میں نہ تہذیب تھی نہ تمدن۔ نہ علم تھا نہ سائنس بلکہ ان کی کیفیت یہ ہے کہ

رازدانِ کیمیائے آفتاب

کہ وہ یہ زمین تو ایک طرف سورج کے اندر چھپی ہوئی قوتوں سے بھی واقف ہیں اور ان کا سارا کاروبار اسی توانائی (ENERGY) کے زور پر چلتا ہے جسے وہ آفتاب سے حاصل کرتے ہیں

ہر کہ خواہد سیم و زر گیرد ز نور   چوں نمک گیریم ما از آبِ شور

ان میں سے جس کسی کو چاندی یا سونے کی ضرورت ہوتی ہے تو اسے وہ آفتاب کی روشنی سے پوری کر لیتا ہے جس طرح ہم سمندر کے پانی سے نمک نکال لیتے ہیں لیکن وہاں چاندی اور سونے کی ضرورت سکوں کے طور پر استعمال کرنے کے لئے نہیں پڑتی۔ وہاں کوئی شخص اپنی خدمات کا معاوضہ روپیہ پیسہ میں نہیں چاہتا بلکہ

خدمت آمد مقصدِ علم و ہنر   کارہا ناکس نمی سنجد بزر

وہاں علم اور ہنر دونوں کا مقصد یہ ہے کہ ان سے خلقت کی خدمت کی جائے۔ نہ یہ کہ انھیں بیچ کر دولت کمائی جائے۔ کیونکہ دولت کمانا کسی کے پیشِ نظر ہی نہیں۔ اس لئے وہاں سکوں کا وجود ہی نہیں،

کس ز دینار و درہم آگاہ نیست   ایں بتاں را در حرم ہا راہ نیست

وہاں کوئی جانتا ہی نہیں کہ دینار کسے کہتے ہیں اور درہم کیا ہوتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ درہم و دینار وہ بُت ہیں جو باطل نظامِ زندگی کے تراشیدہ ہیں۔ جو نظام، خدا کے قوانین پر مبنی ہو، اس میں ان معبودانِ باطل کا کوئی دخل نہیں ہو سکتا۔ صحیح نظامِ زندگی میں دولت جمع کرنے کا تصور ہی نہیں آ سکتا۔ اس لئے وہاں سکوں کی ضرورت کیا ہے؟

اوپر کہا گیا ہے کہ وہ لوگ سائنس میں اتنی ترقی کر چکے ہیں کہ ان کے تمام کاروبار اسی توانائی کے زور پر چلتے ہیں جسے وہ سورج سے حاصل کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ

بر طبیعت دیو ماشیں چیرہ نیست   آسماں ہا از دخانش تیرہ نیست

نہ صرف یہی کہ ان کی فضا مشینوں کے دھوئیں سے پاک و صاف رہتی ہے۔ بلکہ ان کی طبیعتوں پر بھی ان کے غلبہ اور تسلط کا کوئی اثر نہیں ہمارا یہ زمانہ مشینوں کا زمانہ کہلاتا ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ ہماری صنعت و حرفت میں مشینیں عام ہو گئی ہیں بلکہ یہ کہ بنیادی طور پر ہماری ساری زندگی میکانیکل ہو گئی ہے۔ اس دور میں خود انسان کو ایک مشین سے زیادہ حیثیت نہیں دی جاتی اور باہمی معاملات اور برتاؤ میں بھی ایک فرد دوسرے فرد سے اسی طرح ملتا ہے جس طرح مشین کا ایک پرزہ دوسرے پرزہ کے ساتھ مل کر کام کرتا ہے۔ اس سے زیادہ انھیں آپس میں کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اور اسی مشینی اندازِ زندگی کا اثر اتنی دور تک چلا گیا ہے کہ میاں بیوی، باپ بیٹا، بہن بھائی تک میں بھی انسانیت کا رشتہ نہیں بلکہ محض مشینی رشتہ باقی رہ گیا ہے۔ مرغدین میں باہمی تعلقات کی یہ کیفیت نہیں۔ اس کے بعد لکھتے ہیں۔

سخت کوش دہقان چراغش روشن است   از نہابِ دہ خدایاں ایمن است

وہاں کا کسان بہت محنتی ہے۔ لیکن اس کی محنت مجبوری کی نہیں وہ اپنی خوشی سے محنت کرتا ہے اور بہت مرفع الحال ہے۔ اس کے گھر میں خوشی کے چراغ جلتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں یہ صورت نہیں کہ زمیندار زمین کا مالک ہو اور کاشتکار زمین میں کھیتی باڑی کرے۔ کاشتکار سارا سال ہو پسینہ ایک کر کے فصل تیار کرے اور زمیندار اس کا حاصل لے جائے اور کاشتکار اس کے رحم و کرم پر ہو۔ نہ ہی وہاں یہ کیفیت ہے کہ پانی کی باریوں پر کسانوں کے لڑائی جھگڑے ہوں اور وہ تھانوں اور کچہریوں میں مصیبتیں بھگتتے پھریں۔

کشت و کارش بے نزاعِ آبجو است   حاصلش بے شرکتِ غیر از او است

وہاں پانی کی فراوانی ہے اور وہاں کا کسان اپنی محنت کے ماحصل کا آپ مالک ہے۔ اسے کوئی لوٹنے کھسوٹنے والا نہیں۔ یہ تو ہی معاشی زندگی جہاں تک سیاسی زندگی کا تعلق ہے

اندر آں عالم نہ لشکر نے قشوں   نے کسے روزی خورد از کشت و خوں

آپ غور کیجئے۔ آج دنیا کی بدترین لعنتوں میں سے ایک لعنت مستقل فوج (STANDING ARMY) کا وجود ہے۔ ابنائے قوم کا بہترین حصہ فوج میں لے لیا جاتا ہے۔ اور یہ لاکھوں نوجوان دوسروں کے پیدا کردہ رزق پر بہترین زندگی بسر کرتے ہیں۔ یعنی قوم میں جو کچھ پیدا ہوتا ہے، اس کا بہترین حصہ سب سے پہلے فوج والوں کو دیا جاتا ہے اور خود فوج والے کسی قسم کے پیداواری کام کاج (PRODUCTIVE WORK) میں کوئی حصہ نہیں لیتے۔ اس کے علاوہ قوم کی دولت کا بہت بڑا حصہ ان آلات حرب وضرب کے بنانے اور سنبھالنے میں صرف ہو جاتا ہے جو ایک فتیلا دکھلانے سے فضا میں بھک سے اڑ جاتا ہے۔ قوم کے ان بہترین نوجوانوں کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ دوسروں کو قتل کریں۔ انھیں یہ سب کچھ اسی کے معاوضہ میں ملتا ہے۔ حضرت علامہ کہتے ہیں کہ مرغدین میں اس قسم کی کوئی لعنت نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر دنیا سے قومیتوں کے تنگ دائروں کو مٹا دیا جائے اور ذاتی ملکیت کے نظامِ باطل کو ختم کر دیا جائے، اور تمام نوعِ انسانی ایک گھرانے کی طرح زندگی بسر کرے، تو دنیا میں نہ فوجوں کی ضرورت باقی رہے نہ سامانِ حرب وضرب کی۔ جو نظام قرآن کی بنیادوں پر قائم ہوگا۔ اس میں آخر الامر یہی کیفیت پیدا ہو جائے گی۔ یہ تو تھا اہلِ سیف کا حال۔ باقی رہے اہلِ قلم سو

نے قلم در مرغدین گیرد فروغ از فنِ تحریر و تشہیر دروغ

مرغدین میں تحریر نے ایک فن کی شکل اختیار نہیں کر رکھی نہ ہی وہاں قلم سے جھوٹ کو عام کرنے کا کام لیا جاتا ہے۔ وہاں قلم کو ان امور کی نشر واشاعت سے فروغ حاصل ہوتا ہے۔ جو حق پر مبنی ہوں۔ اور جن سے مقصود لغو اندوزی نہ ہو۔ لہٰذا وہاں کے اخبارات وتصنیفات نوعِ انسانی کی خدمت کا موجب ہیں نہ کہ جھوٹ کو پھیلا کر فروغ حاصل کرنے کا ذریعہ

نے بہ بازاراں ز بیکاراں خروش نے صداہائے گدایاں دردِ گوش

ہمارے غلط معاشرہ میں ان لوگوں کا ایک مستقل طبقہ ہوتا ہے۔ جنھیں کام نہیں ملتا۔ یا جو کام کئے بغیر دوسروں کی محنت پر جیتے ہیں جو لوگ کام کاج میں مصروف رہتے ہیں انھیں اس کی فرصت ہی نہیں ہوتی کہ وہ ہنگامے برپا کرتے رہیں۔ اس لئے مرغدین میں ان ہنگاموں کا شور کہیں سنائی نہیں دیتا۔ جنھیں ہمارے ہاں بیکار لوگ برپا کرتے رہتے ہیں۔ نہ ہی وہاں کوئی بھک منگا نظر آتا ہے جس کی آواز دردِ گوش بنے۔

یہ تو تھا وہ نقشہ جو اقبال نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اس کے بعد حکیم مریخ نے ایک فقرہ میں یہ بتا دیا کہ مرغدین کے معاشرہ کا ماحصل کیا ہے یعنی

کس دریں جا سائل ومحروم نیست عبد ومولا حاکم ومحکوم نیست

اس نے کہا کہ ہمارے ہاں کوئی شخص اپنی ضروریاتِ زندگی سے محروم نہیں رہتا۔ اس لئے کوئی کسی کا محتاج نہیں ہوتا۔ اور جب کوئی کسی کا محتاج نہیں ہوتا تو پھر نہ کوئی کسی کا غلام ہوتا ہے نہ کوئی غلاموں کا آقا۔ حتیٰ کہ یہاں کوئی حاکم ہے اور نہ محکوم۔ خدا نے جو غیر متبدل قوانین عطا فرما دیئے ہیں سب اس کے تابع زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور کوئی انسان کسی انسان پر حکومت نہیں کرتا۔ یہی قرآنی تعلیم کا مقصود ومنتہا اور یہی اسلامی دستور وآئین کا ماحصل ولب لباب ہے۔

یہ ہے نقشہ اس معاشرہ کا جس کے لئے حضرت علامہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو ہندوستان میں ایک قطعۂ زمین مل جائے۔ ان کے ذہن میں نقشہ یہ تھا کہ اس قطعۂ زمین میں مسلمان قرآنی آئین کے مطابق معاشرہ قائم کریں اور اس معاشرہ کی کیفیت یہ ہو جسے انھوں نے مرغدین کے معاشرہ کے نام سے تعبیر کر کے جاوید نامہ میں پیش کر دیا۔

※

علامہ اقبال نے اسی جاوید نامہ میں، علامہ جمال الدین افغانی کی زبانی بتایا ہے کہ حکومتِ الٰہیہ کے خط وخال کیا ہوتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اس حکومت میں انسان صرف قوانینِ خداوندی کا محکوم ہوتا ہے۔ ایسے انسان کو بندۂ حق کہتے ہیں اور

بندۂ حق بے نیاز از ہر مقام نے غلام او را نہ او کس را غلام
بندۂ حق مرد آزاد است وبس ملک وآئینش خداداد است وبس
رسم وراہ ودین وآئینش ز حق زشت وخوب وتلخ ونوشینش ز حق

اس حکومت کے آئین ودستور کی بنیاد وحی خداوندی پر ہوتی ہیں جو اپنی جگہ پر اٹل اور غیر متبدل ہے۔ وہاں تمام معاملات کے فیصلے اسی کی روشنی میں ہوتے ہیں۔ بندۂ حق کی محبت بھی حق کے لئے ہوتی ہے۔ اور مخالفت بھی حق کے لئے۔ اس کے مقابلہ میں انسانوں کے خود ساختہ نظام کی بنیاد تنہا عقل پر ہوتی ہے اور عقل اور وحی میں فرق یہ ہے کہ

عقلِ خود بیں غافل از بہبودِ غیر سودِ خود بیند نہ بیند سودِ غیر
وحیِ حق بینندۂ سودِ ہمہ در نگاہش سود وبہبودِ ہمہ

عقل صرف اس فرد یا اس قوم کے مفاد کو دیکھ سکتی ہے جس کی وہ عقل ہے۔ وہ اس کے سوا کسی دوسرے کے مفاد کا خیال نہیں رکھ سکتی۔ اس کے برعکس وحی کے قوانین چونکہ اس خدا کی طرف سے ملتے ہیں جو ربّ العالمین یعنی تمام نوعِ انسانی کو نشوونما دینے والا ہے اس لئے اس کی نگاہ میں تمام انسانوں کا مفاد یکساں طور پر ہوتا ہے۔ لہٰذا جس نظام کی بنیاد وحی کے غیر متبدل قانون پر ہوگی۔ اس کا مقصود تمام نوعِ انسانی کی نشوونما ہوگا۔ اور یہی حکومتِ الٰہی کی بنیادی خصوصیت ہے۔ اس کے علاوہ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ

عادل اندر صلح وہم اندر مصاف وصل وفصلش لا یراعی لا یخاف

بندۂ حق میدانِ جنگ میں ہو یا صلح کی کانفرنس میں، ہر جگہ اس کے پیشِ نظر عدل وانصاف ہوتا ہے۔ وہ نہ کسی پر ظلم کرتا ہے نہ اپنے آپ پر ظلم ہونے دیتا ہے۔ وہ کٹتا اس سے ہے جو حق کی مخالفت کرتا ہے اور اپنا رشتہ پیوست اس سے کرتا ہے جو حق کی حمایت کرتا ہے اس میں نہ وہ کسی کی رعایت کرتا ہے نہ وہ کسی سے خوف کھاتا ہے۔ یہی ہے وہ بنیادی حقیقت جو حکومتِ خداوندی کے اندر جلوہ بار ہوتی ہے۔ اسی قسم کی حکومت تھی جسے علامہ اقبال پاکستان میں متشکل دیکھنا چاہتے تھے۔ اور آج وہ شخص دیکھنا چاہتا ہے جس نے پاکستان کے حصول میں اس نقشہ کو پیشِ نظر رکھا تھا۔ طلوعِ اسلام اسی قسم کے نظام اور آئین کی طرف دعوت دیتا ہے۔ اسی کو نظامِ ربوبیت کہا جاتا ہے۔

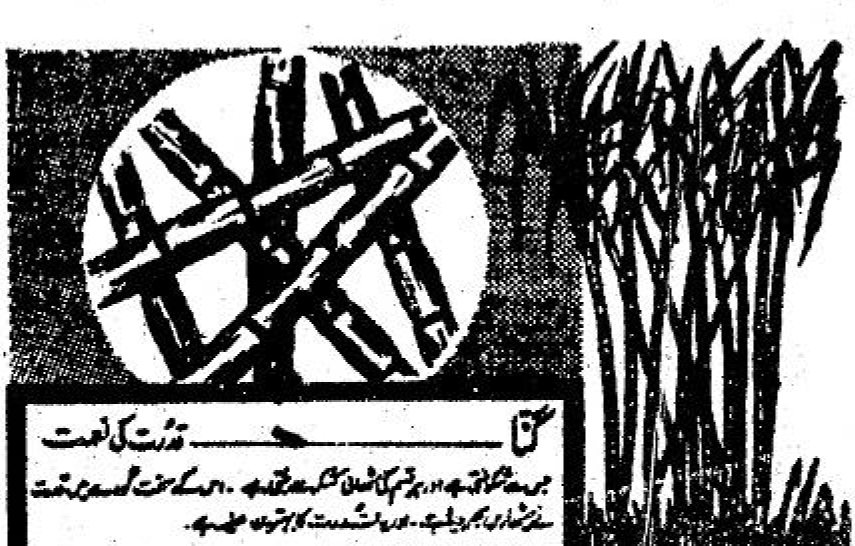

آزادی کے آٹھ سال

اقرأ كتابك كفى بنفسك اليوم عليك حسيبا (۱۴ : ۱۷)

حکیم الامت، علامہ اقبال، تاریخ انسانی کے بالغ نظرانہ مطالعہ کے بعد اس نتیجے پر پہونچے تھے کہ

> عالم بشری میں ایک ایسی امت قائم ہو سکتی ہے جس کی اجتماعی زندگی امن و سلامتی پر موسس ہو ..... بشرطیکہ توحید الٰہی کو انسانی فکر و عمل میں حسب منشائے الٰہی مشہود کرنا انسان کا نصب العین قرار پا جائے۔

نیز

> عالم بشری (کے لئے) ..... سوائے نظام اسلامی کے کوئی اور واحد اجتماعی نظام ذہن میں نہیں ہو سکتا کیونکہ جو کچھ قرآن سے میری سمجھ میں آیا ہے اس کی رو سے اسلام محض انسان کی اخلاقی اصلاح کا داعی نہیں بلکہ عالم بشری کی اجتماعی زندگی میں ایک تدریجی مگر اساسی انقلاب بھی چاہتا ہے جو اس کے قومی اور نسلی نقطہ نگاہ کو یکسر بدل کر اس میں انسانی ضمیر کی تخلیق کرے۔

عالم بشری کے لئے قرآن پر مبنی واحد اجتماعی نظام کو بطور منزل سامنے رکھ کر آپ نے پہلا قدم اٹھایا۔ اور ایک ایسے خطے کے حصول پر زور دیا جو اس عالمگیر تجربے کے لئے بطور معمل کام دے سکے چنانچہ آپ نے ملت کے سامنے اس مملکت پاکستان کا تصور پیش کیا جس کا

> اول مقصد یہ ہے کہ اسلام قائم ہو اور مسلمان طاقتور بن جائے۔

انھوں نے یہ بھی واضح طور پر بتا دیا کہ

> اگر آزادی ہند کا نتیجہ یہ ہو کہ جیسا دارالکفر ہے ویسا ہی رہے یا اس سے بھی بدتر بن جائے تو مسلمان ایسی آزادی وطن پر ہزار لعنت بھیجتا ہے اور اس کی راہ میں لکھنا، بولنا، روپیہ صرف کرنا، لاٹھیاں کھانا، جیل جانا، گولی کا نشانہ بننا سب کچھ حرام اور قطعی حرام سمجھتا ہے۔

مسلمانان برصغیر کی جو تقدیر اقبال کے کارگہ فکر سے نقش پذیر ہو کر نکلی تھی اس کے عملی حصول کے لئے جس تحریک کی ضرورت تھی اس کی قیادت کے لئے آپ کی نظر انتخاب قائداعظم پر پڑی، چنانچہ مسلمانوں کی قسمت ان کے ہاتھ سونپنے سے پہلے انھیں آپ نے بتا دیا کہ

> اس وقت حالت یہ ہے کہ روٹی کا مسئلہ دن بدن نازک ہوتا چلا جا رہا ہے۔ مسلمان محسوس کر رہا ہے کہ وہ گزشتہ دو سو سال سے نیچے ہی نیچے جا رہا ہے اس لئے سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کے افلاس کا کیا علاج ہو ..... ہماری خوش قسمتی ہے کہ اسلامی آئین کے پاس اس کا حل موجود ہے۔ اس آئین کو دور حاضرہ کے تصورات کی روشنی میں مزید نشوونما دی جا سکتی ہے۔ اسلامی آئین کے طویل اور گہرے مطالعہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اگر اس نظام کو اچھی طرح سے سمجھ کر نافذ کر دیا جائے تو اس سے کم از کم ہر فرد کو سامان نشوونما دیا جا سکتا ہے

قائداعظم بھی جنھیں اقبال نے مسلمانوں کی قیادت کے لئے منتخب کیا اور جنھوں نے پاکستان حاصل کر کے دکھا دیا یہی عقیدہ رکھتے تھے کہ مسلمانوں کی نجات ایسے نظام معاشرت میں ہے جو قرآنی اصولوں پر موسس ہو۔ سنہ ۱۹۴۱ء میں آپ نے حیدرآباد میں فرمایا۔

> میں نے قرآن مجید اور قوانین اسلامیہ کے مطالعہ کی اپنے طور پر کوشش کی ہے۔ اس عظیم الشان کتاب کی تعلیمات میں انسانی زندگی کے ہر باب کے متعلق ہدایات موجود ہیں، زندگی کا روحانی پہلو ہو یا معاشرتی سیاسی، یا معاشی، غرضیکہ کوئی شعبہ ایسا نہیں جو قرآنی تعلیمات کے احاطہ سے باہر ہو۔ قرآن کریم کی اصولی ہدایات اور سیاسی طریق کار نہ صرف مسلمانوں کے لئے بہترین ہیں بلکہ اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کے لئے حسن سلوک اور آئینی حقوق کا جو حصہ ہے۔ اس سے بہتر تصور نا ممکن ہے۔

یہ تھے وہ محرکات جنھوں نے مسلمانوں کو دنیا بھر کی مخالفت کے علی الرغم اس موقف پر قائم کر دیا کہ مسلمان بہ حیثیت مسلمان ملت واحدہ ہے۔ اور اسے اپنی معاشرت کو اسلامی قالب میں ڈھالنے کے لئے ایک ایسے خطۂ ارض کی ضرورت ہے جو اجنبی اثرات سے یکسر پاک ہو اور جسے وہ آزادانہ قرآنی تعلیمات کا گہوارہ بنا سکیں۔ کتنی پاک تھیں یہ امنگیں اور کتنی حسین تھیں یہ آرزوئیں۔ شاید انہی کا صدقہ تھا کہ خلاف توقع اور دیکھتے دیکھتے کرۂ ارض کی سب سے بڑی اسلامی مملکت معرض وجود میں آ گئی۔ کتنی بڑی کامیابی تھی یہ۔ وہ قوم جو کوئی نے سال پیشتر دولت و حشمت سے اس قدر محروم کر دی گئی تھی کہ اس کی زندگی تک معرض خطر میں پڑ گئی تھی۔ اور صاف نظر آ رہا تھا کہ اس امت کی اجل کا وقت آ پہنچا ہے وہی قوم ایک مملکت جدید کی مالک بن رہی تھی۔ ایسی مملکت کی مالک جس کی حیثیت تاریخ اسلام میں ایک دوسرے "مدینہ" کی تھی کہ یہاں وہ اپنے خوابوں کی تعبیر اور تصورات کی تشکیل بے روک ٹوک اور بلا خوف و خطر کر سکتے تھے۔

قائداعظم جو اس قوم کو ایک فرعون نہیں بلکہ متعدد فرعونوں کے چنگل سے نکال کر اس نئی دنیا میں امن و سلامتی میں لے آئے تھے۔ ان کی عمر نے وفا نہ کی۔ وہ چل بسے تو عجیب افراتفری کا دور شروع ہوا۔ اس گھر کی حالت بعینہ وہ ہو گئی جو ایک بزرگ کے اٹھ جانے کے بعد ناخلف اولاد کے ہاتھوں ہو جایا کرتی ہے۔ نام نہاد آزادی کی زندگی کو دیکھا جائے تو پاکستان قرون وسطیٰ کا وہ دربار نظر آتا ہے، جس میں بادشاہ کے مر جانے کے بعد سازشوں کا جال بچھ گیا ہو۔ اقتدار کی اس کشمکش سے خانہ جنگی کی وہ صورت پیدا ہوئی کہ مقاصد کی تکمیل تو ایک طرف، سرے سے مملکت کی برقراری مخدوش نظر آنے لگی

حصول پاکستان کے بعد پہلا سوال پیدا ہونا چاہیئے تھا کہ جس قرآنی نظم معاشرت کے تجربے کے لئے اس خطہ ارض کو حاصل کیا گیا ہے اس کا خاکہ کیا ہے اور اس میں کیسے رنگ عمل بھرا جا سکتا ہے۔ لیکن ایک تو اس منفرد ملک کی پیدائش ہی نے اس کے لئے ایسے گوناگوں مخاطر پیدا کر دیئے کہ ان سے عہدہ برآ ہونا آسان نہ تھا۔ دوسرے قائدین پاکستان اہم امور سے ہٹ کر ذاتی اقتدار کے حصول میں منہمک ہو گئے، جس سے موانعات راہ ناقابل عبور بن گئیں۔ چنانچہ آزادی کے آٹھ سالوں میں، ہمارے نام نہاد دستور سازوں نے مطلقاً یہ کوشش نہیں کی کہ اسلامی اصولوں کو مرتب و متشکل کریں۔ تاکہ ان کے مطابق مملکت کا دستور تیار کیا جا سکے ان کا از خود نہ کرنا شاید اس لحاظ سے قابل فہم تھا کہ وہ اس میدان کے مرد نہیں تھے۔ لیکن جو چیز بالکل ناقابل فہم اور ہر طرح ناقابل معافی تھی وہ یہ تھی کہ انھوں نے اقبال کے اس مکتب فکر سے ذرا بھی استفادہ کرنے کی کوشش نہیں کی جو قرآنی اصولوں کی تشکیل نو میں مصروف تھا اور ہے۔ اس مکتب ــ یعنی طلوع اسلام ــ نے اسلامی نظام اور قرآنی دستور پاکستان کو اس وضاحت سے مرتب کر کے ان کے سامنے پیش کیا کہ اس کی مثال سارے اسلامی لٹریچر میں نہیں ملتی۔ اس بے مثل کاوش کے بے نظیر نتائج کو ہاتھ تک لگانا گوارا نہ کیا۔

جب آئین سازان پاکستان نے نور قرآنی کی تمام راہیں بند کر دیں تو رجعت پسندی، دقیانوسیت اور جہالت کی تاریکی پھیلتی گئی۔ اس فضا میں ملا آگے بڑھا۔ اس نے مذہبی تقدس کا رعب دے کر تمام لیڈروں کے عیب گنوائے اور خود مسند اقتدار کی طرف بڑھا۔ اسلام سے نابلد اور سیاسی ریشہ دوانیوں میں الجھے ہوئے ارباب اقتدار ملا کی پیش قدمی کو کہاں روک سکتے تھے۔ چنانچہ جب ۱۹۵۲ء میں بنیادی اصولوں سے متعلق سفارشات سامنے آئیں تو اس میں نہ محض سیاسی اعتبار سے ملکی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا گیا تھا بلکہ قانون سازی کا آخری اختیار ملا کے ہاتھ میں دے دیا گیا تھا۔ اس کے مطابق ملاؤں کی مجلس ہی یہ فیصلہ دے سکتی تھی کہ کوئی قانون اسلام کے مطابق ہے یا نہیں۔ حالات یہاں تک بگڑ چکے تھے کہ گورنر جنرل مسٹر غلام محمد نے ایک جرأت مندانہ اقدام کیا۔ انھوں نے ناظم الدین حکومت کو برطرف

کردیا جو نظم و نسق کے اعتبار سے ملک کو تباہی کے غار تک لے آئی تھی اور مذہبی لحاظ سے مُلا کے سامنے ہتھیار ڈال چکی تھی یہ اقدام مثبت نتائج کا حامل ہو سکتا تھا۔ لیکن عملاً اس کی حیثیت سلبی رہی۔ اور اصلاح احوال کی کوئی صورت نہ نکلی۔ اور وہ نکل بھی کیسے سکتی تھی۔ جب کہ اس کے لئے نہ آئین سازوں نے کبھی سوچنے کی کوشش کی تھی نہ انھوں نے سوچنے والوں کو ایسا موقع دیا تھا۔ بہرحال اس سے اتنا ہو گیا کہ مُلا کی تقسیمی کل اقتدار کی شکل باقی نہ رہی۔ لیکن اس دوسرے دور میں آئین کا جو خاکہ سامنے آیا وہ بھی کم افسوسناک نہ تھا۔ اس میں آئین کو اسلامی بنانے کے لئے یہ شق داخل کی گئی تھی کہ کوئی قانون ایسا نہیں بنایا جائے گا جو "کتاب و سنت" کے منافی ہوگا۔ یہ شق آئین سازوں کی بے فکری کی دلیل نہ تھی اس سے بھی مُلا کے داخلہ کا دروازہ کھل جاتا تھا۔ کیونکہ جب یہ فیصلہ کرنے کا وقت آئے گا کہ کوئی قانون "کتاب و سنت" کے مطابق ہے یا نہیں تو اس کے متعلق حتمی رائے مُلا ہی دے سکے گا۔ گویا اگر پہلی رپورٹ میں مُلا کو باقاعدہ مسند پر بٹھا دیا گیا تھا تو اس میں اسے ساتھ والے کمرے میں بھیج کر دروازہ کھلا چھوڑ دیا گیا تاکہ وہ جب چاہے اس پر متمکن ہو جائے۔

ارباب اقتدار نے جدید فکری عوامل کی سرپرستی سے جو ہاتھ روکا تو مُلا کے لئے میدان خالی ہو گیا۔ اس سے خود ارباب اقتدار کے لئے عجیب کشمکش پیدا ہو گئی۔ وہ مُلا کے پیش کردہ تصور کو ناقابل عمل سمجھتے تھے لیکن اپنے آپ میں اتنی جرأت نہیں پاتے تھے کہ اسے مسترد کر دیں۔ ان کی اس گومگو نے ملک کے نوجوان طبقے کو ایک عجیب کشمکش میں مبتلا کر دیا ہے۔ ان کا ماڈرن ذہن ملائیت کو کبھی گوارا نہیں کر سکتا تھا لیکن ملائیت ہی کو اسلام سمجھ کر وہ اسلام سے منحرف ہونے لگے ہیں۔ چونکہ مذہب کا اثر بہت گہرا ہے اس لئے ہمارے نوجوان علانیہ "نامسلمان" نہیں ہوئے۔ لیکن نوجوانوں کے عام طبقہ کو ٹٹول کر دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ مذہب سے بیگانہ ہو رہے ہیں اور وہ گرمجوشی جو اسلامی نظام کے قیام کے لئے پائی جاتی تھی اب مفقود ہوتی جا رہی ہے گویا نہ محض نظام اسلامی کا واضح نقشہ مرتب نہیں کیا جا سکا بلکہ اس کے برعکس اس کے نفاذ کے خلاف بھی فضا پیدا ہونا شروع ہو گئی ہے۔ یہ ہے آئیڈیالوجی کی بنا پر مملکت کا قیام کرنیوالوں کی آٹھ سال کی کارگذاری!

کہا جا سکتا ہے کہ آئیڈیالوجی کے نفاذ میں ناکامی کی وجہ یہ ہو سکتی کہ وہ جس "انقلاب اندر شعور" کا متقاضی ہے وہ ہنوز پیدا نہیں ہو سکا لیکن یہ رونا تنہا آئیڈیالوجی کا نہیں۔ حیات قومی کے کسی شعبے میں بھی کسی ابھار اور عروج کے کوئی آثار نظر نہیں آتے

سیاسی اعتبار سے دیکھا جائے تو سوائے مایوسی کے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ غالب کے الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس قوم کے ہاتھ میں وہ جام نہیں جس کے بادہ جاں فزا سے "سب لکیریں ہاتھ کی گویا رگ جاں ہو گئیں"! پاکستان مسلم لیگ کے ذریعہ حاصل ہوا تھا۔ تقسیم سے پہلے یہ جماعت مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہی نہیں سمجھی جاتی تھی۔ بلکہ ایک حد تک مسلم اور غیر مسلم کے مابین امتیاز کی دلیل بن گئی تھی۔ لیکن جب اس جماعت نے مملکت پاکستان کی عنان اقتدار سنبھالی تو سیاست میں دیکھتے دیکھتے وہ فساد رونما ہونا شروع ہو گیا کہ الامان والحفیظ۔ سیاست کا نقطہ ماسکہ شخصی تفوق بن گیا جسے دیکھئے وہ دیوانہ وار اپنے لئے سمیٹ رہا ہے۔ کسی کو کسی کا ہوش نہ رہا۔ اس طرح مسلم لیگ مردہ ہو گئی اور سیاسی زندگی کا یہ حال ہو گیا کہ کوئی اور پارٹی اس کے مقابلے میں ابھر نہیں سکی۔ آج بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ ملک میں کسی پارٹی کا وجود نہیں اور سیاست کا محور پارٹیاں نہیں بلکہ افراد ہیں۔ اس ہمہ گیر افراتفری میں کاروبار حکومت اور نظم معاشرت کا جو حشر ہو سکتا تھا وہ ظاہر ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ "لے کے رہیں گے پاکستان" کا سرفروشانہ نعرہ لگانے والوں نے چند ہی سالوں میں یہ کہنا شروع کر دیا کہ پاکستان بنا کر انھوں نے غلطی کی ہے۔ تاریخ میں شائد ایسی مثال ڈھونڈھے سے بھی نہ ملے کہ کوئی تحریک علیٰ رغم الانف کامیاب ہوا اور کامیاب ہو کر اپنی کامیابی پر کف افسوس ملے۔ یا کسی قوم کو آزادی ملے اور آزاد ہونے کے بعد وہ متاسف ہو کر وہ آزاد کیوں ہو گئی۔

آزادی نے مسلمانوں کے سامنے ترقی اور تعمیر کی نئی راہیں کھول دی تھیں لیکن ان پر گامزن ہونے کے لئے جس ملی شعور اور اجتماعی عزم کی ضرورت تھی وہ مفقود تھے۔ چنانچہ کسی منصوبہ کے تحت متوازن ترقی کا سوال پیدا نہ ہو سکا۔ منصوبے بنتے ضرور رہے لیکن بے تدبیری اور فقدان عمل سے وہ مسلوں کی قبروں میں دفن ہو جاتے رہے۔ محض حالات کے دباؤ سے بعض شعبوں میں ترقی ہوئی اور محیرالعقول۔ صرف صنعتی ترقی کے شعبے کو دیکھا جائے تو یہ باور کرنا مشکل ہوگا کہ اتنی حیرت انگیز ترقی ہو چکی ہے لیکن اس کا جذبہ محرکہ محض نفع اندوزی اور مفاد پرستی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ترقی عجیب بے ہنگم طریق سے ہوئی ہے۔ یہ نہیں سوچا گیا کہ ملک کو کس چیز کی ضرورت ہے اور کس قدر ضرورت ہے۔ سوچا صرف یہ گیا کہ کس چیز میں زیادہ فائدہ ہے۔ نتیجہ یہ کہ آج جب کہ پاکستان کئی مصنوعات میں خودکفیل بن چکا ہے اس کی معاشی ابتری میں کمی کے آثار نظر نہیں آتے۔ عوام کی قوت خرید بڑھ جانے کی کوئی خاطر خواہ شکل پیدا نہیں ہو سکی اور جسے قومی آمدنی کہا جاتا ہے وہ چند ہاتھوں میں محدود ہوتی جا رہی ہے۔ یہ طرفہ تماشا ہے کہ ملک کی مجموعی آمدنی بڑھ رہی ہے لیکن قوم غریب تر ہوتی جا رہی ہے۔ اس بے ربط صنعتی ترقی نے ملک کے لئے ایک اور خطرہ پیدا کر دیا ہے۔ نو دولت مند صنعتکار اپنی دولت کے زور پر سیاست اور حکومت پر چھا جانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ گویا ملک پہلے جاگیرداروں کے ہاتھ میں تھا تو اب سرمایہ دار کے قبضے میں آ رہا ہے۔ یہ "انقلاب" عوام کے حکمرانوں کو ضرور بدل رہا ہے لیکن ان کی معاشی مشکلات میں کسی استواری کا سبب نہیں بن رہا۔ دیکھا جائے تو یہ نتیجہ بالکل قابل فہم تھا۔ جیسا کہ اقبال نے کہا ہے

زندگی اپنے حوالی میں کسی قسم کا انقلاب پیدا نہیں
کر سکتی جب تک کہ پہلے اس کی اندرونی گہرائیوں
میں انقلاب نہ ہو اور کوئی نئی دنیا خارجی وجود
اختیار نہیں کر سکتی جب تک کہ اس کا وجود پہلے انسانوں
کے ضمیر میں متشکل نہ ہو۔

تقسیم ہند سے پہلے عشرہ کی سیاست ملی اور آزادی کے آٹھ سالوں کا جائزہ لینے سے یہ حقیقت ابھر کر سامنے آ جاتی ہے کہ مسلمانوں کے ضمیر میں کسی قسم کا انقلاب پیدا کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ تحریک پاکستان نے مسلمانوں کے سطح شعور پر ہلکا سا ارتعاش ضرور پیدا کر دیا تھا اور اس سے یہ امید پیدا ہو چلی تھی کہ اسی سے وہ "موج تند جولاں" بیدار ہو گی کہ

نہنگوں کے نشیمن جس سے ہوتے ہیں تہ و بالا

لیکن اس سطحی ارتعاش کو قلبی تموج اور ہیجان میں بدلنے کے لئے کچھ نہیں کیا گیا۔ آئیڈیالوجی کے مطابق مملکت بنانے اور چلانے کے دعویداروں پر اولین فریضہ یہ عائد ہوتا تھا کہ وہ تعلیم پر ایسی توجہ صرف کرتے کہ اس سے مقاصد کا شعور پیدا ہوتا اور قوم اس شعور کے ساتھ متعین منزل کی جانب رواں دواں جانے کے سامان پیدا ہوتے لیکن تعلیم سے مجرمانہ غفلت برتی گئی۔ کہنے کو سکولوں میں اضافہ ہوا، نئے کالج کھلے، یونیورسٹیاں قائم ہوئیں لیکن تعلیمی نظام کو آئیڈیالوجی کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لئے کچھ نہیں کیا گیا۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ جب خود قائدین میں آئیڈیالوجی کا شعور مفقود تھا تو وہ تعلیمی نصب العین کو کیسے صحیح سمت میں رکھ سکتے تھے۔ اس بے مقصدی اور بدنظمی کے نتائج رفتہ رفتہ ہمارے سامنے آ رہے ہیں۔ گو درسگاہوں کی تعداد بڑھ گئی ہے اور بڑھ رہی ہے لیکن تعلیم کے قابل بچوں کی بڑی تعداد تنگیٔ جا کی وجہ سے ان میں داخل ہونے سے قاصر رہ جاتی ہے۔ جو بچے سکولوں میں نہیں جا سکتے وہ گھر اور معاشرت دونوں کے لئے طرح طرح کی پریشانیوں کا باعث بنتے جاتے ہیں۔ جو بچے داخل ہونے میں کامیاب ہو جاتے ہیں ان کی حالت بھی کم پریشان کن نہیں۔ ان کے لئے تعلیم کا خاطر خواہ انتظام نہیں اور تعلیمی معیار دن بدن گرتا چلا جا رہا ہے۔ سالانہ نتائج کے اعداد و شمار کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ نتائج کا تناسب تدریجی طور پر کم ہوتا جا رہا ہے۔ اس سال کے نتائج تو خصوصیت سے مایوس کن ہیں زیادہ سے زیادہ پچاس کے لگ بھگ تھا اور کم سے کم سترہ تک بھی پہنچ گیا۔ گویا آئیڈیالوجی کا شعور پیدا کرنا تو ایک طرف محض خواندگی کا تناسب بڑھانے کے لئے بھی قابل ذکر سرگرمی نہیں دکھائی جا رہی۔

المختصر یہ ہے ہماری ملی حیات کا نقشہ۔ اس میں شبہ نہیں کہ یہ بڑا ہی مایوس کن ہے۔ لیکن اس سے حوصلہ نہیں ہارنا چاہئے۔ افراد تو گھبرا کر خودکشی کر سکتے ہیں قومیں خودکشی نہیں کر سکتیں یہ عملاً ناممکن ہے۔ لہٰذا آئیے سوچیں کہ

پس چہ باید کرد!

یہ حقیقت ہے کہ گذشتہ آٹھ سال میں ہم قدم قدم پر مات کھاتے رہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ نتیجہ ہے ہماری غلط روشِ زندگی کا۔ نیز یہ بھی کہ ہم جس آئیڈیالوجی کو لے کر چلے تھے اسے ہم نے کبھی عملاً نہیں آزمایا۔ لہٰذا جہاں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم اب تک ناکام ہوئے وہاں یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ یہ ناکامی ہماری آئیڈیالوجی کی ناکامی ہے۔ اگر یہ صحیح ہے کہ ہماری آئیڈیالوجی ناکام نہیں ہوئی بلکہ ابھی اسے آزمایا ہی نہیں گیا تو اس آئیڈیالوجی کو ابھی

طرح سمجھئے اور اسے عملاً زندگی کے تمام شعبوں میں نافذ اور رائج کیجئے ہماری خوش بختی ہے کہ ہماری آئیڈیالوجی بالکل محفوظ حالت میں قرآن میں موجود ہے۔ گویا ہم نے کچھ کھویا نہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم قرآن کو ضابطہ حیات بنائیں اس کے لئے قومی عزم کی ضرورت ہے۔ ہم میں آج تک اس عزم کا فقدان رہا ہے۔ قومیں اس سے محروم ہو کر موت سے ہمکنار ہو جاتی ہیں اور جب اس دولت کو پالیتی ہیں تو ان کی موت زندگی سے بدل جاتی ہے۔ اسی صدی کی کئی قابل تقلید مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ جاپان، روس، جرمنی، ترکی اسی طرح پستیوں سے ابھرے اور انھوں نے زندہ قوموں کی صف میں ممتاز جگہیں حاصل کرلیں۔ ہم جس قدر ذلت میں گرے ہیں وہ اپنے اعمال کی بدولت ہے اور اپنے اعمال کے زور پر ہم بام عروج پر پہنچ سکتے ہیں۔ ہمارا ابھرنا زیادہ یقینی ہے کیونکہ ہم میں قرآن موجود ہے جو انسانیت کے لئے واحد ضابطہ حیات ہے۔

بہ حیثیت مسلمان، ہماری حیات ملی کے لئے بنیادی اسباب میں سے دو ہی چیزوں کی ضرورت تھی۔ ایک ہماری بے مثل و بے نظیر آئیڈیالوجی اور دوسرے وہ خطہ زمین جس میں آئیڈیالوجی کو نافذ کیا جاسکے۔ ہماری آئیڈیالوجی (قرآن) تو شروع سے محفوظ چلا آرہا ہے اور محفوظ رہے گا۔ اللہ کا شکر ہے کہ وہ خطہ زمین جسے ہم نے اس کے لئے حاصل کیا وہ بھی ابھی تک محفوظ ہے۔ اگرچہ متعدد تخریبی قوتوں کا یہ عالم رہا اور اب تک ہے کہ دغالب سے معذرت کے ساتھ

آوارہ غربت نتواں دید صنم را
خواہم کہ دگر تبکدہ سازند حرم را

سو جب قرآن اور یہ خطہ زمین ہمارے پاس محفوظ ہے تو ہمیں سمجھ لینا چاہئے کہ آج ۱۴ر اگست ۱۹۵۵ء نہیں بلکہ ۱۴ر اگست ۱۹۴۷ء ہے۔ لہٰذا اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔ اگر آپ صحیح خطوط پر کچھ کرنا چاہتے ہیں تو اس کام نئے سرے سے آغاز کر دیجئے۔

وقت آنست کہ آئین دگر تازہ کنیم
لوح دل پاک بشوئیم و ز سر تازہ کنیم

اور ——

تیرا بھی جی نہ چاہے تو باتیں ہزار ہوں۔

مطبوعات طلوع اسلام کی شرائط ایجنسی

شرح کمیشن

معراج انسانیت —— ۲۵ فی صدی، دیگر مطبوعات ۳۳ فی صدی (۲) قیمت بعد وضع کمیشن بذریعہ وی پی وصول کی جائیگی۔ (۳) فروخت شدہ کتب واپس نہیں لی جائیں گی۔ (۴) پہلی فرمائش پچاس روپے (بعد وضع کمیشن) سے کم کی نہیں ہونی چاہیئے۔ (۵) ہر آرڈر کے ہمراہ کم از کم چوتھائی رقم پیشگی آنی چاہیئے۔ ورنہ تعمیل نہیں ہو سکے گی

نوٹ۔ کراچی کے ایجنٹ صاحبان دفتر طلوع اسلام سے معاملہ طے کریں۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳ کراچی

مطبوعات طلوع اسلام

معراج انسانیت — از پرویز۔ سیرت صاحب قرآن علیہ التحیۃ والسلام کو قرآن کے آئینے میں دیکھنے کی پہلی اور کامیاب کوشش۔ مذاہب عالم کی تاریخ اور تہذیبی پس منظر کے ساتھ ساتھ حضور سرور کائنات کی سیرت اور دین کے متنوع گوشے نکھر کر سامنے آگئے ہیں۔ بڑے سائز کے قریباً نو سو صفحات۔ اعلیٰ ولایتی گلیزڈ کاغذ مضبوط و حسین جلد مع گرد پوش —— قیمت —— بیس روپے

ابلیس و آدم — از پرویز۔ سلسلہ معارف القرآن کی دوسری جلد جسے نظر ثانی کے بعد شائع کیا گیا ہے۔ انسانی تخلیق قصہ آدم۔ ابلیس۔ جنات۔ ملائکہ۔ وحی وغیرہ جیسے اہم مباحث کی ساں۔ بڑی تقطیع کے ۰۰ ۲ صفحات —— قیمت —— آٹھ روپے

قرآنی دستور پاکستان — اس میں پاکستان کے لئے قرآنی دستور کا خاکہ دیا گیا ہے۔ اور حکومت، علماء اور اسلامی جماعت کے مجوزہ دستوروں پر تنقید کی گئی ہے۔ دو سو چوبیس صفحات —— قیمت دو روپے آٹھ آنے

اسلامی نظام — اسلامی مملکت کے بنیادی اصول کیا ہیں۔ اور اسلامی نظام کیسے قائم ہو سکتا ہے؟ اس کے جواب میں پرویز اور علامہ اسلم جیراجپوری کے مقالات۔ جنہوں نے فکر و نظر کی نئی راہیں کھول دی ہیں۔ ۱۰۰ صفحات —— قیمت —— دو روپے

سلیم کے نام — از پرویز۔ نوجوانوں کے دل میں اسلام سے متعلق جو شکوک پیدا ہوتے ہیں۔ ان کا شگفتہ۔ مدلل اور اچھوتا جواب۔ بڑے سائز کے ۴۰۸ صفحات —— قیمت چھ روپے

قرآنی فیصلے — روزمرہ کی زندگی کے سات اہم مسائل و معاملات پر قرآن کی روشنی میں بحث۔ ۴۰۰ صفحات قیمت —— چار روپے

اسباب زوال امت — از پرویز۔ مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ بتایا گیا ہے کہ ہمارا مرض کیا ہے اور علاج کیا؟ ایک سو اڑتالیس صفحات —— قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

جشن نامے — ایسے عنوانات جنہیں پڑھ کر ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی ہو اور آنکھوں میں آنسو۔ طنز اور تنقید کے گہرے نشتر سات سالہ دور آزادی کی سمٹی ہوئی تاریخ۔ ۲۵۶ صفحات —— قیمت دو روپے آٹھ آنے

مزاج شناس رسول — کون بتائے کہ صحیح احادیث کونسی ہیں اور غلط کونسی؟ مزاج شناس رسول! مزاج شناس کون ہے؟ اس کی تفصیل اس کتاب میں ملے گی۔ ۴۰۰ صفحات۔ قیمت —— چار روپے

مقام حدیث — حدیث کے متعلق تمام اہم سوالات کے تفصیلی جواب۔ احادیث کے متعلق اتنی معلومات کسی جگہ یکجا نہیں ملیں گی دو جلدیں ہر جلد کے قریباً چار سو صفحات اور قیمت فی جلد —— چار روپے

فردوس گم گشتہ — از پرویز۔ ان مضامین کا مجموعہ جنہوں نے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی نگاہ کا زاویہ بدل دیا۔ خالص ادبی نقطۂ نگاہ سے اردو لٹریچر کی بلند پایہ تصنیف۔ ۴۱۷ صفحات —— قیمت چھ روپے

نوادرات — از علامہ اسلم جیراجپوری۔ علامہ موصوف کے مضامین کا نادر مجموعہ۔ چار سو صفحات —— قیمت چار روپے

اسلامی معاشرت — از پرویز۔ مسلمان کے عادات و اخلاق کا خاکہ۔ رہنے سہنے کے ڈھنگ۔ سرکاری ملازمین کے فرائض و واجبات۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ہر اسلوب قرآنی آئینہ میں۔ صفحات ۱۹۲ —— قیمت دو روپے

نظام ربوبیت — از پرویز۔ انسان کے معاشی مسائل کا قرآنی حل اور ذاتی ملکیت کا قرآنی تصور دور حاضرہ کی عظیم کتاب۔ ضخامت تین سو صفحے۔ قیمت قسم اول —— چھ روپے قسم دوم (غیر مجلد) —— چار روپے

اقبال اور قرآن — از پرویز۔ علامہ اقبال کے قرآنی پیغام سے متعلق محترم پرویز صاحب کے انقلاب آفریں مقالات کا مجموعہ۔ دست کور کے ساتھ۔ صفحات ۲۵۶ —— قیمت دو روپے

تمام کتابیں مجلد ہیں اور گرد پوش سے آراستہ۔ محصول ڈاک ہر حالت میں بذمہ خریدار

ملنے کا پتہ: ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳۔ کراچی

پروفیسر ٹوئن بی سے چھ سوالات

پروفیسر ٹوئن بی (Toyn bee) علمی حلقوں میں کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ ان کی ساری عمر تہاذیب عالم کی تحقیقات اور مطالعہ میں گذری ہے اور اس کی زندہ شہادت ان کی وہ معرکۃ آرا کتاب ہے جو (A study of history) کے عنوان سے دس ضخیم جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ آپ اس کے مرکزی خیال سے خواہ متفق ہوں یا نہ ہوں، یہ یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ ہمارے اس دور کا جو ترکہ آنیوالی نسلوں کی طرف منتقل ہوگا، اس میں یہ کتاب ضرور شامل ہوگی۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس سے پہلے اسپنگلر کی بلند پایہ کتاب (Declin of the west) بھی اسی موضوع پر ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی تھی اور اس کی اہمیت میں آج بھی کوئی کمی نہیں آئی، لیکن ٹوئن بی کا افق بہت وسیع اور اس کی نگاہ مقابلتاً کشادہ ہے۔ انہی پروفیسر ٹوئن بی سے پچھلے دنوں نیویارک ٹائمز کے نمائندے نے عند الملاقات چھ سوال پوچھے۔ یہ سوال اور ان کے جواب "ریڈرز ڈائجسٹ" کی جون ۱۹۵۵ء کی اشاعت میں شائع ہوئے ہیں۔ ان کی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر انہیں ہدیہ قارئین کیا جاتا ہے۔

پہلا سوال تہذیب مغرب کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے کہ یہ فنا ہو جائے گی یا باقی رہے گی۔

جواب میں کبھی نا امید نہیں ہوا کرتا۔ میرا خیال ہے کہ تہذیب مغرب کو نہ زوال آئیگا اور نہ ہی یہ فنا ہوگی۔ اتنا اضافہ کرنے کی ضرورت ہے کہ اس سے یہ مطلب نہیں کہ یہ خود بخود آگے بڑھتی اور بلند ہوتی چلی جائیگی۔ میرا عقیدہ یہ ہے کہ یہ چیز ہم اہل مغرب کے امکان میں ہے کہ ہم کوشش کر کے اپنی تہذیب کو بچا سکتے ہیں مجھے اسکی توقع ہے کہ وہ تخریبی قوتیں جو آج ہمارے سامنے آرہی ہیں ہم میں ایک ایسا جذبہ پیدا کر دیں گی جس سے ہم اپنی غلط روش سے تائب ہو کر اپنی اصلاح کریں گے اور زندگی کی ایک نئی شاہراہ پر چل پڑیں گے۔

طلوع اسلام سوال یہ ہے کہ اگر تہذیب مغرب ایک متاع عزیز ہے تو پھر اس سے تائب ہو کر ایک نئی روش پر چلنے کے معنے کیا ہیں؟ جب ہم موجودہ روش سے تائب ہو کر ایک نئی روش پر چل نکلے تو پھر یہ کہنا غلط ہے کہ ہمارے موجودہ تہذیب کا مستقبل شاندار ہے۔ اس تہذیب کو تو ہم نے اس دن چھوڑ دیا جب ہم ایک نئی شاہراہ پر چل پڑے۔

حقیقت یہ ہے کہ مغرب کی تہذیب میں یہ صلاحیت ہی نہیں کہ وہ انسانی امن اور فلاح کی ضامن بن سکے۔ اس کی بنیادی کمزوریاں یہ ہیں کہ وہ:-

(۱) نوع انسان کی عالمگیر برادری کے تصور کے بجائے قومیت کے تنگ دائروں میں گھری ہوئی ہے۔ ان دائروں میں مسلسل تصادم کا موجود رہنا ناگزیر ہے۔

(۲) اس کے پاس کوئی غیر متبدل اصول ایسے نہیں جن پر ہر حالت میں عمل پیرا رہنا اہل مغرب کا ایمان ہو۔ نتیجہ یہ کہ ان اقوام کے فیصلے ان کی مصلحتوں کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔

(۳) یہ تہذیب خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل پر ایمان نہیں

طلوع اسلام

رکھتی۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جو قوم اتنی قوت فراہم کر لیتی ہو کہ اسے دوسری قوموں کی مخالفت کی پرواہ نہ رہے، وہ بلا تامل سب کچھ کرتی چلی جاتی ہے۔

ہمارا یہ منہ تو نہیں کہ ہم اہل مغرب کو ان کی کسی روش پر ٹوکیں۔ اسلئے کہ ہم تو اپنی زیست تک کیلئے ان کے محتاج ہیں لیکن قرآن کی دی ہوئی بصیرت کے ماتحت ہم اتنا ضرور کہہ سکتے ہیں کہ جس تہذیب کی بنیاد خدا کی متعین کردہ غیر متبدل اقدار پر نہو، اسکی تقدیر میں فلاح اور بقا نہیں ہو سکتی۔

دوسرا سوال کیا روس اور جمہوری اقوام مغرب سفر زندگی میں دوش بدوش چل سکتے ہیں۔

جواب جی ہاں۔ تاریخ کا تجربہ ہمیں ایسا ہی بتاتا ہے سترھویں صدی میں پروٹسٹنٹ اور کیتھولک فرقوں کا خیال یہ تھا کہ جبتک دوسرا فرقہ ختم نہیں ہو جاتا ان کے لئے جینا نا ممکن ہے۔ اسی طرح صلیبی جنگوں کے زمانے میں ایسے عیسائی اور مسلمان موجود تھے جنکا خیال یہ تھا کہ جبتک دشمن کے مذہب کو نیست و نابود نہ کر دیا جائے ہماری بقا محال ہے۔ ہاں، یہ صدیاں گزر گئیں ہیں اور یہ فرقے اور گروہ بدستور موجود ہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ روس اور جمہوری اقوام کو دوش بدوش رہنے میں کچھ ناگواری بھی ہوگی اور خطرات بھی لیکن یہ اسی وقت تک ہوں گے جب تک ہم یہ سمجھتے رہیں کہ ہمیں مجبوراً ایک دوسرے کے ساتھ چلنا ہے۔ لیکن اگر ہم چاہتے ہیں کہ ایک تیسری عالمگیر جنگ نہونے پائے تو ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کریں اور باہمی اعتماد بھی پیدا کریں۔ دور اندیشی کا تقاضا یہی ہے کہ ہم ایسی راہیں نکالیں جن سے ہمیں ان مسائل کے حل ملیں جن سے آج روس اور جمہوری قومیں دونوں کو واسطہ پڑ رہا ہے، ایک دوسرے سے تعاون کریں۔

طلوع اسلام اس میں شبہ نہیں کہ دنیا میں مختلف نظریات زندگی رکھنے والی قومیں دوش بدوش چلتی رہتی ہیں لیکن فطرت کا اٹل قانون یہ ہے کہ بقا اسی نظام کے حصہ میں ہے جو عالمگیر انسانیت کے لئے نفع رساں ہو۔ واما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض (۱۳/۱۷) فطرت کا اٹل فیصلہ ہے۔

تیسرا سوال وہ اہم مسائل حیات کیا ہیں جن کی طرف آپ نے اشارہ کیا ہے۔

جواب سب سے پہلی چیز یہ کہ ہم تیسری جنگ عظیم کو کس طرح سے روک سکتے ہیں۔ اگر ہم اس میں کامیاب ہو جائیں تو پھر اگلا سوال یہ ہے کہ دنیا کی بڑھتی ہوئی آبادی کی حد بندی کیسے کی جائے۔ صحت سے متعلق حفاظتی تدابیر کا نتیجہ یہ ہے کہ دنیا کی آبادی اس سرعت سے بڑھ رہی ہے کہ یہ خطرہ ہے کہ ایک دن پوری نوع انسان بھوک سے نہ مر جائے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم افزائش نسل کے متعلق اپنی ذہنیت میں جلد سے جلد تبدیلی پیدا کریں۔ اس میں شبہ نہیں کہ جس قسم کی عائلی زندگی ہم بسر کر رہے ہیں اس میں یہ مشکل ہے کہ ہم اپنی عادات کو جلدی سے بدل لیں۔ یعنی یہ مشکل نظر آتا ہے کہ ہمارے مردوں اور عورتوں کے ذہن میں یہ بات آ سکے کہ بچوں کی تعداد کا مسئلہ ایسا ہے جس میں باہر کی دنیا والے بھی دخل اندازی کا حق رکھتے ہیں، اس لئے کہ ان بچوں کی غذا اور سامان پرورش کا انتظام تو انہی باہر والوں نے کرنا ہے۔

اگر ہم نے جنگ کو روک دیا اور افزائش نسل پر بھی پابندیاں عائد کر دیں، تو اس کے بعد تیسرا اہم سوال مذہب کے احیاء کا ہے۔ میرا عقیدہ ہے کہ انسان آزادی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا اور اسکی روحانی زندگی کا دائرہ ایسا ہے جس میں اسے سب سے زیادہ آزادی کی ضرورت ہے۔ لہٰذا آنیوالی دنیا کا جو نقشہ سامنے آرہا ہے اس میں شائد مذہب کا میدان ہی ایسا ہوگا جس میں انسان کو آزادی حاصل ہوگی۔

میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ آجکل تین قوتیں ایسی ہیں جو آزادی کے خلاف برسر پیکار ہیں اور ہمارے معاشرے کو آمریت کی طرف لئے جا رہی ہیں۔ یعنی بڑھتی ہوئی آبادی کا دباؤ۔ نئے نئے آلات حرب اور عمرانی عدل کا تقاضا۔ جہانتک سیاست اور معیشت کا تعلق ہے یہ نظر آتا ہے کہ فرد کی آزادی دن بدن کم ہوتی جا رہی ہے۔ لہٰذا اگر ہم نے مذہب کے معاملہ میں بھی آزادی کو برقرار نہ رکھا تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ آزادی دنیا سے بالکل معدوم ہو جائے گی۔ اور اگر آزادی ہی معدوم ہو گئی تو پھر انسان انسان نہیں رہے گا۔

طلوع اسلام حیرت ہے کہ پروفیسر ٹوئن بی نے قومیت اور رزق کی صحیح تقسیم کو ان اہم مسائل میں شمار نہیں کیا جو امن عالم کے لئے اس قدر خطرہ کا موجب بنے ہوئے ہیں۔ افزائش نسل پر پابندیوں کا خیال بجا اور درست لیکن جب تک دنیا کا نظام "رب العلمین" کی بنیادوں پر قائم نہیں ہوتا ہمارا کوئی

مسئلہ حل نہیں ہو سکتا۔ "ربّ العٰلمین" کا تصور ہی ہمیں صحیح آزادی بھی دے سکتا ہے۔ کیونکہ اس کی رو سے معاشرہ، حکومت یا نظام کا فریضہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ہر فرد کی مضمر صلاحیتوں کی کامل نشو و نما کرے۔ یعنی اس نظام میں فرد کو معاشرہ کی قربانگاہ پر بھینٹ نہیں چڑھایا جاتا بلکہ معاشرہ فرد کی نشو و نما کا ذریعہ بنتا ہے۔

چوتھا سوال اگر مذہب کا احیاء نہ ہوا تو مغرب پر اس کا کیا اثر پڑیگا۔

جواب اگر ایسا نہ ہوا تو مغرب کا مستقبل خوش آیند نہیں ہو سکیگا۔ میرا خیال ہے کہ ہمارے مغربی اندازِ زندگی میں فرد کی تقدیس کو اہمیت حاصل ہے۔ کمیونزم انسانی ذات کی قدر و قیمت سے انکار کرتی ہے۔ اس کا عقیدہ یہ ہے کہ فرد صرف جماعت کے لئے ہی ہوتا ہے۔ اگر ہم نے اپنے مغربی خصوصیات کو برقرار رکھنا ہے تو اسے محکم بنیادوں پر قائم کرنا ہوگا۔ اسکی پہلی بنیادیں مذہب ہی پر قائم تھیں۔ ہم اہلِ مغرب کے دلوں میں فرد کی تقدیس کا جو تصور موجود ہے تو اس کا سبب بھی یہی ہے کہ یہودی اور نصاریٰ دونوں کے ہاں یہ عقیدہ موجود تھا کہ خدا کی نگاہوں میں انسانی ذات کی ایک مطلق قدر موجود ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ اگر مذہب نہ رہے تو ہمارا یہ عقیدہ اور کس بنیاد پر قائم رہ سکیگا؟

طلوع اسلام اس میں شبہ نہیں کہ انسانی ذات کے تقدس کا تصور وہ محور ہے جس کے گرد امن اور فلاح کا پورا نظام گھومتا ہے لیکن یہ سمجھنا غلط ہے کہ یہ تصور یہودیت یا عیسائیت کا عطا فرمودہ ہے۔ یہودیت ہر بنی آدم کو نہیں بلکہ صرف بنی اسرائیل (بلکہ ان میں بھی صرف دو خاندانوں) خدا کی چہیتی اولاد قرار دیتی ہے۔ باقی رہی عیسائیت، سو اسکا عقیدہ یہ ہے کہ ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرتاً گنہگار ہوتا ہے۔ نیز وہ بھی غیر اسرائیلیوں کو عزت و تکریم کا مستحق نہیں سمجھتی کیونکہ انجیل کے بیان کے مطابق، حواریوں کو تعلیم یہ دی گئی تھی کہ بیٹوں کی روٹی کتوں کے آگے نہ ڈالو۔ یہ عظیم اعلان آپ کو قرآن ہی میں ملیگا کہ "ولقد کرمنا بنی آدم" ہم نے بنی آدم کو واجب التکریم پیدا کیا ہے۔

پانچواں سوال کیا ہمارا موجودہ دور ایٹم بم اور کمیونزم جیسی بے مثل چیزوں کی رو سے ایک منفرد دور نہیں ہے؟

جواب ایٹم بم انسانوں کی تباہی کے لئے پہلا آلۂ جنگ نہیں۔ یہ تو اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس میں اس سے پہلے بارود اور ہوائی جہاز آچکے ہیں۔ نہ ہی موجودہ اشتراکی حکومتیں وہ پہلی حکومتیں ہیں جنھوں نے کسی خاص آئیڈیالوجی یا مذہب کو شمشیر کے زور پر پھیلانے کا مسلک اختیار کیا ہو۔ جس بات میں ہمارا زمانہ منفرد ہے وہ یہ ہے کہ جس نوعیت کی لڑائی اب لڑی جاتی ہے اس سے پہلے کبھی نہیں لڑی جاتی تھی۔ اس سے پہلے لڑائی کا مفہوم یہ تھا کہ ایک سپاہی میدانِ جنگ میں خطرات کو مول لیکر یا اپنی جان دیکر ان چیزوں کی محافظت کر رہا ہے جو اس کے پیچھے ہیں۔ لیکن ایٹم بم نے میدانِ جنگ اور سول آبادی کی تفریق ہی کو مٹا دیا ہے۔ اب تو جنگ سے مراد عالمگیر تباہی ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ ہمارے ذرائع رسل و رسائل اسقدر ترقی کر گئے ہیں کہ ہم نے گویا فاصلہ کے تصور ہی کو مٹا دیا ہے۔ فاصلہ کے تصور کو مٹانے سے یہ بھی ہو سکتا تھا کہ پوری نوعِ انسان ایک خاندان کی شکل اختیار کر لے لیکن ہم نے ایسا کرنے کے بجائے اس چیز کو خود اپنی تباہی کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا۔ دنیا کی تاریخ میں یہ پہلا موقعہ ہے جس میں اگر ہم چاہیں تو تمام نوعِ انسانی ایک خوشحال برادری کی طرح بھی رہ سکتی ہے اور یا سب کے سب موت کے گھاٹ اتارے جا سکتے ہیں۔

طلوع اسلام ظاہر ہے کہ تمام نوعِ انسانی ایک برادری کی شکل اسوقت اختیار کر سکتی ہے جب قوموں کے موجودہ دائرے مٹ جائیں اور انسانیت کی تشکیل ایک عالمگیر آیڈیالوجی پر ہو جائے۔ قرآن ایک ایسے ہی نظام کا عملی تصور پیش کرتا ہے۔

چھٹا سوال کیا آپ کا خیال ہے کہ مستقبل کمیونزم کے ہاتھ میں رہے گا۔

جواب نہیں میرا ایسا خیال نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ کمیونزم آخر کار انسانوں کے لئے جاذبِ نگاہ بننے میں ناکام رہ جائے گی۔ اس لئے کہ انسانوں کی انفرادی مشکلات اور ذاتی تکالیف میں جس روحانی سہارے یا رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے کمیونزم میں وہ چیز نہیں۔ مجھے کسی ایسے مذہب یا آئیڈیالوجی کا علم نہیں جو انسانوں کی مشکلات میں سہارا نہ بہم پہنچاتی ہو اور اس کے باوجود وہ ان کے نزدیک جاذبِ نگاہ ہو۔ ان وجوہات کی بناء پر میرا عقیدہ یہ ہے کہ مستقبل کمیونزم کے ہاتھ میں نہیں بلکہ اس مذہب کے ہاتھ میں ہے جو انسان کو انفرادی مصائب میں روحانی سہارا دے سکے۔

لیکن اس عقیدہ کو عام کرنے کے لئے ہمیں بڑی جد و جہد کرنی پڑے گی۔ کمیونزم ایک بہت بڑی تحریک ہے۔ ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہیئے کہ ہم اس انتظار میں خاموش بیٹھے رہیں کہ ایک دن نوعِ انسانی کے سامنے کمیونزم کا پردہ خود بخود چاک ہو جائے گا اور یہ اس سے متنفر ہو جائے گی۔

اگر ہم نے سعی بلیغ کی تو ہم انسانوں کو صحیح راستہ پر لانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ میرا عقیدہ ہے کہ . . . .

ہمارا ایمان صداقت پر مبنی ہے اور صداقت میں وہ قوت ہوتی ہے کہ وہ آخر الامر کامیاب جاتی ہے۔

طلوع اسلام آپ غور کیجئے کہ تاریخ کے اتنے بڑے مبصر نے اس مقام پر کتنی بڑی غلطی کھائی ہے۔ کمیونزم تو پیدا ہی اسلئے ہوئی ہے کہ جو مذہب انسانوں کے سامنے تھا وہ انکی مشکلات اور مصائب کا صحیح اور عملی حل پیش کرنے کی بجائے انھیں محض "روحانی سہاروں" پر جینے کی تلقین کرتا تھا۔ یہ سہارے صرف عقیدت کی بنیادوں پر قائم رہ سکتے تھے۔ جب انسانوں نے دیکھا کہ وہ سہارے

۲۴

ان مشکلات کا صحیح حل پیش نہیں کرتے تو انھوں نے ان سہاروں کو چھوڑ دیا اور کمیونزم کے آغوش میں چلے گئے۔ کمیونزم کا توڑ اس نظامِ زندگی کے اندر ہے جو افرادِ انسانیہ کی تکالیف اور مصائب کا صحیح حل پیش کرے۔ یعنی ایسا نظام جس میں فرد کے سامنے کوئی ایسی تکلیف اور مصیبت آئے ہی نہیں جس کے دور کرنے کی ذمہ داری تنہا اس پر ڈال دی گئی ہو۔ قرآن ایک ایسا عملی نظام پیش کرتا ہے جو نوعِ انسانی کو ایسا سہارا دیتا ہے جو محض ذہنی اور تصوراتی نہیں ہوتا بلکہ ان کی مشکلات کا حقیقی علاج بنتا ہے۔ پروفیسر ٹوئن بی کے ذہن میں مذہب کا وہ تصور ہے جسے عیسائیت نے پیش کیا۔ یہ اس تصورِ مذہب کی ناکامی ہی تو ہے جس نے کمیونزم کو جنم دیا ہے۔ لہٰذا اس کے احیاء سے کمیونزم کا مقابلہ کیسے ہو سکے گا؟ کمیونزم کا مقابلہ صرف قرآنی نظامِ ربوبیت کر سکتا ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ اسے مغرب کا تحت الشعور قبول نہیں کر سکتا کیونکہ اس میں خود ان کے نظامِ سرمایہ داری کی بھی تو نفی ہوتی ہے۔

باب المراسلات

فکری صلاحیت کراچی سے ایک صاحب لکھتے ہیں کہ آپ نے فکری صلاحیت کے عنوان سے جو کچھ لکھا ہے اس میں حالات کا نہایت صحیح تجزیہ کیا ہے۔ لیکن یہ بات پھر بھی حل طلب رہ جاتی ہے کہ قوم فکر سے کام کیوں نہیں لیتی۔ میرا خیال ہے کہ فکر ایک مجرد صلاحیت کا نام ہے۔ جب تک کسی کے سامنے کوئی معاملہ ایسا نہ ہو جس پر فکر کرنے کی ضرورت ہو وہ اپنی فکری صلاحیت کو بروئے کار لا ہی نہیں سکتا۔ قوم کے افراد اپنے اپنے انفرادی معاملات کے متعلق بہرحال سوچتے ہیں۔ لیکن جس بات میں یہ فکر سے کام نہیں لیتے وہ ملت کے اجتماعی معاملات ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ان کے سامنے ملت کا کوئی اجتماعی مقصد متعینہ طور پر ہے ہی نہیں۔ اگر ان کے سامنے کوئی متعینہ مقصد ہو تو یہ اسکے متعلق ضرور غور و فکر سے کام لیں۔ اصل یہ ہے کہ ہم میں پاکستانی ہونے کا شعور پیدا نہیں کیا گیا، یا کم از کم بیدار نہیں ہوا۔ ہم نے پاکستان بنا لیا ہم نے ایک مملکت بھی قائم کر لی۔ لیکن اسکے باوجود ہم اب تک پاکستانی نہیں بن سکے۔ معلوم نہیں آپ اس سے متفق ہونگے یا نہیں لیکن میرا خیال ہے کہ غیر شعوری طور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے حصول پاکستان کی تحریک کے دوران میں جو نعرہ بلند کیا وہ قومی دائرہ سے بہت وسیع اور بالا و اونچا تھا یعنی ہمارا دعویٰ یہ تھا کہ قوم وطن کے حدود سے متشکل نہیں ہوتی بلکہ آئیڈیالوجی کی وحدت سے بنتی ہے۔ مجھے اس کا اعتراف ہے کہ یہ ایک حقیقت تھی اور بہت بڑی حقیقت۔ لیکن معاف فرمائیے اگر میں یہ عرض کروں کہ ہم اس آئیڈیالوجی کی بناء پر قوم نہیں بن سکے۔ اس سے پیچھے اتر کر دوسری چیز یہ تھی کہ ہم اپنے

وطنِ پاکستان کی بنیادوں پر ایک قوم بن جاتے۔ لیکن ہم اس بنا پر بھی ایک قوم نہیں بن سکے۔ غالباً اسلئے کہ ہمیں اس کا اعتراف کرتے ہوئے کچھ شرم سی آتی ہے کہ ہمارا دعویٰ تو یہ تھا کہ قوم آئیڈیالوجی کی بنا پر بنتی ہے اور اب ہمارا عمل یہ ہے کہ ہم وطنیت کی بنا پر قوم بنا رہے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں اپنے سینے سے اس کشمکش کو دور کردینا چاہئے۔ جہاں تک نصب العین کا تعلق ہے ہماری ملت آئیڈیالوجی ہی کی بنا پر وجود میں آتی ہے لیکن جسطرح اس نصب العین کو ایک موثر حقیقت بنانے کے لئے ایک جماعت کا وجود ناگزیر ہوتا ہے۔ اسی طرح اسے عمل میں لانے کیلئے اس کا آغاز ایک قطعہ زمین ہی سے کیا جا سکتا ہے۔ اس بنا پر اگر اس قطعہ زمین میں بسنے والے اپنے آپکو ایک ملت سمجھ لیں تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ چیز دین کے خلاف نہیں جائیگی؛ بشرطیکہ ہم اس بلند نصب العین کو نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے دیں۔

بدقسمتی سے ہمارے ہاں دین کی جگہ سطحی مذہبیت نے لے لی ہے جو عوام کے جذبات سے کھیلتی ہے۔ ان لوگوں نے بھی "دستور اسلامی" کے مسلسل نعروں سے ذہنوں میں ایسا انتشار پیدا کردیا ہے کہ قوم کے سامنے کوئی قومی نصب العین رہا ہی نہیں جس کیلئے وہ اپنی فکری صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں۔ قوم سے کہا یہ جاتا ہے کہ "اسلامی دستور" کوئی ایسی چیز نہیں جو غور و فکر سے وجود میں لائی جائیگی بلکہ یہ ایک ایسی چیز ہے جو صدیوں پہلے وجود میں آچکی تھی اب وہ بنی بنائی شکل میں پاکستان میں نافذ کردی جائے گی۔ لہذا قوم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ہمارا نصب العین "اسلامی دستور" کا نفاذ ہے اور اسلامی دستور ایک ایسی چیز ہے جو غور و فکر کی محتاج نہیں۔ نہ صرف یہ کہ وہ غور و فکر کی محتاج نہیں بلکہ اس میں عقل و فکر کی دخل اندازی کفر کے مرادف ہے۔

میرا خیال ہے کہ جب تک ان الجھاؤ پیدا کرنے والے مسائل کو بالکل صاف نہیں کیا جائیگا، قوم فکری صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے قابل نہیں ہو سکیگی۔

میرا اندازہ یہ ہے کہ قوم میں فکری صلاحیت تو موجود ہے لیکن ان کے سامنے کوئی ٹھوس مقصد ایسا نہیں رکھا گیا جسکے متعلق وہ فکر سے کام لیں۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ طلوع اسلام نے ہمیں سطحی جذبات کی خود فریبیوں اور خوش فہمیوں میں مبتلا رکھنے کے بجائے ٹھوس حقائق پر غور و فکر کرنا سکھایا ہے۔ اسلئے ہم سمجھتے ہیں کہ طلوع اسلام کے کرنے کا کام یہ ہے کہ وہ اہلِ پاکستان میں قومی شعور کو بیدار کرے تاکہ قوم اجتماعی مفاد پر غور و فکر کرنے کی عادی بن جائے۔

طلوع اسلام ہمیں خوشی ہوئی کہ محترم مستفسر نے ایسے سلجھے ہوئے انداز میں اس اہم مسئلہ پر اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ ہم اس سے حرف بحرف متفق ہیں کہ اس وقت اہلِ پاکستان کے پیشِ نظر کوئی متفقہ ٹھوس نصب العین ایسا نہیں جسے وہ اپنے لئے مرجعِ فکر سمجھیں۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ پاکستان جغرافیائی حدود ہی سے متعین ہوا ہے۔ اس خطۂ زمین کی اپنی مملکت ہے جو ہر اس مملکت سے الگ ہے جو اس خطۂ زمین سے باہر ہے۔ اس کے بسنے والے پاکستانی ہیں۔ لہٰذا ان میں پاکستانی ہونے کا شعور پیدا ہونا کسی طرح بھی دین کے خلاف نہیں قرار پاسکتا بشرطیکہ یہ چیز اس عالمگیر آئیڈیالوجی کے تابع رہے جسے دین نے پیش کیا ہے۔ مثلاً ہمارے سامنے پاکستان کے تحفظ کا سوال ہو تو ہمیں اس تحفظ کے لئے ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے لیکن اس کوشش میں ایسا کبھی نہیں ہونا چاہئے کہ کسی دوسری قوم پر ظلم اور زیادتی ہو جائے۔ یا ہم اس جغرافیائی دائرہ میں گھر کر دنیا کے باقی مسلمانوں کو اپنے سے غیر سمجھنے لگ جائیں اور ان کی تباہی اور بربادی سے اپنی تقویت کا سامان بہم پہنچائیں۔ اس قسم کی شرائط کے ساتھ ہم میں اگر پاکستانی ہونے کا شعور پیدا ہو جائے تو یہ چیز پاکستان کے استحکام کا موجب بھی ہوگی اور ہمارے لئے خیر و فلاح کا موجب۔

لیکن جس مقصد کے لئے آپ وحدتِ شعور کے متلاشی ہیں وہ اتنے سے حاصل نہیں ہو سکیگی۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ پاکستان میں وہ معاشرہ قائم کیا جائے جس کے لئے یہ وجود میں آیا ہے۔ یعنی یہاں نظام ربوبیت قائم کیا جائے۔ اسکی طرف عملی قدم اٹھ جائے تو پھر آپ دیکھیے کہ کس طرح پوری کی پوری قوم یک رنگ و ہم آہنگ ہو کر اجتماعیت کے رشتے میں پروئی جاتی ہے۔

باقی رہی سطحی مذہبیت سو اس کے متعلق ہم اس سے زیادہ اور کیا کہیں کہ اس نے ہمیں نہ دین کا رکھا ہے نہ دنیا کا۔۔

کسے خبر کہ سفینے ڈبو چکی کتنے
فقیہہ و شاعر و صوفی کی ناخوش اندیشی

ماہنامہ طلوع اسلام کے
پرانے پرچے

ماہنامہ طلوع اسلام کے جو پرانے پرچے دفتر میں موجود ہیں ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۹۴۹ء	اگست، ستمبر، نومبر، دسمبر
۱۹۵۱ء	مئی تا نومبر
۱۹۵۲ء	اگست تا نومبر
۱۹۵۳ء	جنوری کے علاوہ سب
۱۹۵۴ء	پورے سال کے

یہ پرچے بزمہائے طلوع اسلام کو چوتھائی قیمت پر اور دیگر اصحاب کو آدھی قیمت پر دیدیئے جائیں گے۔
خواہشمند حضرات اپنی فرمائشیں جلد بھیجیں۔ ورنہ پرچے ختم ہو جانے کا احتمال ہے۔

ناظم ادارۂ طلوع اسلام — کراچی

خوش آمدید

(صفحہ ۶ سے آگے)

مخلصین کے ساتھ وہاں کیا کچھ ہوا یہ داستان جگر پاش طویل ہے۔ مختصراً یہ کہ خود خان بخت جمال خاں صاحب کو بھی اپنی عزت اور جان کی حفاظت کے لئے شہر کو چھوڑنا پڑا۔ چنانچہ وہ گذشتہ سات آٹھ سال سے قریب قریب جلا وطنی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ان حالات میں ہم متردد تھے کہ انھیں کس منہ سے کہیں کہ وہ خدا کے لئے اٹھیں اور ملک کو اس خطرے سے ایک مرتبہ پھر بچالیں۔ لیکن خلوص اور دیانت کے تو انداز ہی کچھ اور ہوتے ہیں۔ جب "صدر صاحب" نے اس خطرے کا احساس کیا تو اپنے سینے کے تمام زخموں کو بھول گئے اور شمشیر جوہر دار کی طرح تڑپ کر نیام سے باہر آگئے اور ہماری خوشی کی انتہا نہ رہی جب پشاور میں ان کی پریس کانفرنس کی روئداد ہمارے سامنے آئی۔ زندہ باد خان جمال خاں مملکت کے مفاد کی خاطر ذاتی رنجشوں کو اس طرح بھلا دینے کے لئے بہت بڑے دل و جگر کی ضرورت ہوتی ہے۔

این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

ان کا یہ مخلصانہ اقدام بے حد قابل قدر ہے اور ہمیں یقین ہے کہ ان کے ایک بیان ہی سے اہل سرحد کے دلوں میں زندگی اور امید کی ایک تازہ لہر دوڑ گئی ہوگی۔ لیکن ہم ارباب حکومت سے گذارش کرینگے کہ صدر صاحب اور ان کے ساتھیوں نے گذشتہ آٹھ سال میں "اپنوں" کے ہاتھوں سے جو زخم کھائے ہیں ان کا اندمال نہایت ضروری ہے۔ یہ لوگ وہاں کی بے بہا متاع ہیں جس کی حفاظت خود پاکستان کی حفاظت ہے۔ (جیسا کہ ہم نے گذشتہ اشاعت میں لکھا تھا ان لوگوں کو نہ دولت کی ہوس ہے نہ اقتدار کی حرص بخت جمال خاں تو وہ مردِ درویش ہے جس نے ساری عمر اپنے ہاتھ سے محنت کر کے روٹی کھائی ہے۔ اسے نہ ستائش کی تمنا ہے نہ صلہ کی امید۔ لیکن مقصد کی کامیابی کے لئے یہ تو ضروری ہے کہ ان کے راستے میں جو رکاوٹیں پیدا کردی گئی تھیں انہیں ہٹا دیا جائے۔

طلوع اسلام محترم صدر صاحب کے اس ولولۂ تازہ پیران کی خدمت میں دلی ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہے۔

عمرہا چرخ بگردد کہ جگر سوختہ
چوں تو از دودۂ آذر نفساں می خیزد

اقبال اور قرآن
از پرویز
قیمت ۲ روپیہ صفحات ۲۵۶

سلیم کے نام

از:۔ پرویز

قیمت

چھ روپے

طلوع اسلام کثیر تعداد میں شائع ہو کر پاکستان و ہندوستان کے علاوہ غیر ممالک میں ہر طبقہ کے لوگوں کے پاس جاتا ہے۔ اس میں چھپنے والے اشتہارات ہزاروں خریداروں کی نظروں سے گذرتے ہیں۔

نرخنامہ اشتہارات، و تفصیلات ناظم ادارہ (شعبہ اشتہارات) سے حاصل کیجئے۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۶۳۱۳ کراچی

دور حاضرہ کی عظیم کتاب

"نظام ربوبیت"

از:۔ پرویز

ضخامت تین سو صفحات

تاریخ الامت

علامہ اسلم جیراجپوری مدظلہ کی تاریخ کی وہ بے مثل کتاب جو تقسیم سے پہلے ہندوستان کی بیشتر درسگاہوں میں بطور نصاب شامل تھی۔

اب مولف کی اجازت سے طلوع اسلام نے اسے دوبارہ چھاپا ہے۔

قیمت پہلا حصہ (سیرت رسول اللہ صلعم) دو روپے
قیمت حصہ دوم (خلافت راشدہ) دو روپے آٹھ آنے
کتاب آٹھ حصوں پر مشتمل ہے۔ باقی حصے عنقریب شائع ہو جائیں گے۔

اسلامی نظام

قیمت ۲/-/- روپے

جشن آزادی

کی سالانہ تقریبوں پر طلوع اسلام نے جو سحاسیے ہر سال لکھے انہیں۔

جشن نامے

کے نام سے یک جا کر دیا گیا ہے۔ یہ کتاب پاکستان کی آزاد زندگی پر قرآنی نقطہ نگاہ سے بے لاگ تبصرہ ہے۔

اس میں ایسے عنوانات بھی ہیں جو بظاہر مسکراہٹوں کا انداز لئے ہوئے ہیں در حقیقت خندہ زخم جگر ہیں۔　　صفحات ۲۵۶　　قیمت -/۸/۲ روپے

قرآنی دستور پاکستان

اب جبکہ پاکستان کا دستور مرتب کرنے کے لئے جدید مجلس دستور ساز مصروف ہے یہ جاننا ضروری ہے کہ قرآن کے مطابق کس قسم کا دستور مرتب کیا جاسکتا ہے۔ نیز اب تک جو کوششیں کی گئی ہیں وہ کس طرح قرآن کے تصور کے خلاف تھیں۔

اسلامی آئین پر جامع کتاب۔

صفحات ۲۲۲　　قیمت دو روپیہ آٹھ آنے

اسباب زوال امت

قیمت -/۸/۱ روپیہ

قرآن کی رو سے

تربیت نفس صرف اس معاشرے میں ہوسکتی ہے جس میں
تمام افراد ربوبیت عامہ کے لئے مصروف جدوجہد رہیں۔

اس کے نزدیک اعمال حسنہ

کے زندہ نتائج اسی دنیا کی خوش حالیوں اور خوش گواریوں
کی شکل میں سامنے آجاتے ہیں۔ جن

اعمال کا نتیجہ

اس دنیا کی کامرانی نہیں وہ اعمال قیامت میں بھی کوئی وزن نہیں رکھتے۔

لہذہ

تربیت نفس

ساپنے کا پیمانہ یہ ہے کہ

ہماری دنیا کس قدر حسین بن چکی ہے۔
کیا ہماری دنیا واقعی حسین بن سکتی ہے؟

اس کے لئے ملاحظہ کیجئے۔

☆ نظام ربوبیت ☆

(از۔ پرویز)

دور حاضرہ کی عظیم کتاب۔

قسم اول: کاغذ سفید کرنافلی جلد مضبوط مع گردپوش ۔ چھہ روپے
قسم دوم: کاغذ میکانیکل صرف گرد پوش کے ساتھ ۔ چار روپے

ناظم ادارہ طلوع اسلام ۔ پوسٹ بکس نمبر ۷۳۱۳ ۔ کراچی-۳

Title Printed at Mueid Art Press, Thathai Compound, Bunder Road, Karachi. Text at Jawed Press, McLeod Road, Karachi. Published by Khurshid Alam from Tolu-e-Islam Office, 23/1 Fowler Lines, Napier Barracks, Karachi.
Editor: KHURSHID ALAM